ماھنامہ گوجرانوالہ

الشریعۃ

نادری

زیر سرپرستی
شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

زیر ادارت
ابو عمار زاھد الراشدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِى الْقَرِيْبِ
وَالْبَعِيْدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِى اللّٰهِ لَوْمَةُ
لَائِمٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهَ (مشکوٰۃ کتاب الحدود)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود قریب و بعید
سب پر جاری کرو اور اللہ تعالیٰ (کے قوانین کے نفاذ) کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے
کی ملامت تمہارے آڑے نہ آئے

از امام ولی اللہ دہلویؒ

معاشرتی فساد کا ایک سبب

اسلامی قوانین کی ضرورت

اور علمِ دین کا معیار

◎ ساتویں وجہ فساد یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں اپنے مخصوص فطری تقاضوں کے خلاف ایک دوسرے کے عادات واطوار اور لباس وطریقے اختیار کر لیتے ہیں مثلاً مرد اپنی مردانگی کے اوصاف کو چھوڑ کر زنانہ پن اختیار کرے اور عورت شرم وحیا اور تستّر کے فطری جذبوں کو ترک کر کے مردوں کے اطوار اختیار کرے ۔ یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ مردوں کے شایانِ شان جو لباس اور طور طریقے ہیں، انکو بالکل نہ چھوڑیں اور عورتیں اپنے لباسِ شرم اور طریقوں کو نہ چھوڑیں۔ (البدور البازغة اردو ص ۱۸۳)

◎ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک ظلم ودست درازی کے لیے کما حقہ مناسب حال عقوبت اور سزا مقرر کی جائے لوگوں کو فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑوں سے روکا جائے اور ان کے اندر منازعات ومقدمات کا عدل وانصاف سے فیصلہ کیا جائے۔ زمین میں فساد پھیلانے والوں لوگوں پر ظلم کرنے والوں اور تخریب کاروں اور تفرقہ پردازوں کے خلاف جہاد کیا جائے اور اور قوت استعمال کی جائے ۔ شعائر الہیہ اور دینِ اسلام کے اظہار اور نشر واشاعت کا اہتمام کیا جائے اور کفر وشرک اور فسق وفجور کی اہانت کی جائے اور ملکِ خدا کو ان سے پاک وصاف کر دیا جائے۔ تبلیغ دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے اور لوگوں کے وعظ وارشاد اور پند ونصیحت کا انتظام کیا جائے اور علوم وفنون کی اشاعت وترویج کی جائے ۔ (البدور البازغة ص ۲۹۴)

◎ تم اس وقت تک اپنے آپ کو فقیہ فی الدین نہ سمجھو جب تک تم کو ان مذکورہ مقاصدِ شریعت کا علم نہ ہو اور یہ کہ ان مقاصد کو ظہور میں لانے کا طریقہ کیا ہے۔ احکام کے علل کیا ہیں اور مقاصد کے ساتھ ان کا ارتباط کس طرح ہے۔ جب ان سب باتوں کو تم جان لو تو تم اس دین کے صحیح طور پر حامل ہو ۔ (البدور البازغة ص ۲۹۸)

آہ! الشیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ

گذشتہ روز ایک مجاہد فلسطینی عالم الدکتور الشیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ پشاور میں اپنے دو لڑکوں سمیت بم کے دھماکہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنی گاڑی میں اپنی رہائش گاہ پر واپس جا رہے تھے کہ گاڑی میں فٹ کیا ہوا بم پھٹا اور تینوں باپ بیٹے شہید ہو گئے۔

ڈاکٹر عبد اللہ عزام رحمہ اللہ سعودی عرب کے رہنے والے تھے۔ یونیورسٹی کے پروفیسر تھے۔ جہاد افغانستان کے آغاز کے ساتھ ہی جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر ملازمت سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے محاذِ جنگ پر آ گئے۔ مختلف محاذوں پر جنگ میں حصہ لیا۔ افغان مجاہدین کی حمایت و امداد کے لیے ادارہ قائم کیا جہادِ افغانستان پر مقالات اور کتابیں لکھیں۔ 'الجہاد' کے نام سے ایک معیاری عربی جریدے کی اشاعت کا اہتمام کیا اور ان جذبۂ جہاد سے سرشار عرب نوجوانوں کی راہنمائی اور قیادت کی جو مختلف ممالک سے جہادِ افغانستان میں شرکت کے لیے محاذوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر عبد اللہ عزام رحمہ اللہ جہادِ افغانستان کو بجا طور پر ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز سمجھتے ہوئے اس میں شریک تھے اور دنیا بھر کے مسلم علماء کو جہاد میں شریک دیکھنے کے خواہش مند تھے۔

شہادت کی آرزو ان کے دل میں تھی اور زبان ہر وقت شہادت اور جہاد کے ذکر سے تر رہتی تھی۔ انہوں نے اپنی منزل پا لی ہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو جا پہنچے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی یہ قربانی اس دنیا میں بھی رائیگاں نہیں جائے گی۔ افغان مجاہدین کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوں گے اور جہادِ افغانستان دنیا بھر میں احیائے اسلام کی جدوجہد کا نکتۂ آغاز ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر عبد اللہ عزام رحمہ اللہ اور ان کے شہید بیٹوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کے عظیم مشن کو کامیابی سے ہمکنار فرمائیں۔ آمین

آمین یا الٰہ العالمین

راشدی

۲۶.۱۱.۸۹

نفاذِ اسلام کی جدوجہد کا علمی و فکری ترجمان

ماہنامہ **الشریعہ** گوجرانوالہ

جلد ۱ — دسمبر ۱۹۸۹ء — شمارہ ۳

سرپرست

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

مدیر

ابو عمار زاہد الراشدی

معاونین

ڈاکٹر نور محمد غفاری

پروفیسر غلام رسول عدیم

حافظ مقصود احمد ایم اے

حافظ عبید اللہ عابد

حافظ محمد عمار خان ناصر

بدل اشتراک

اندرون ملک سالانہ/۱۰۰ روپے فی پرچہ/۱۰ روپے

امریکی ممالک	سالانہ پندرہ ڈالر
یورپی ممالک	سالانہ دس پونڈ
سعودی عرب	سالانہ پچاس ریال
عرب امارات	سالانہ پچاس درہم

خط و کتابت

۱۔ مدیر ماہنامہ الشریعہ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

۲۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۳۱ گوجرانوالہ

رقوم کی ترسیل کے لیے

(مولانا زاہد الراشدی)

اکاؤنٹ نمبر ۱۵۹۹ حبیب بینک

بازار تھانے والا گوجرانوالہ

مسعود اختر نے مسعود پرنٹرز میکلوڈ روڈ لاہور سے طبع کرا کر نور الحسنین خان ناصر نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ سے شائع کیا۔

نقارۂ خدا

ترجمہ متفرق آیات

- کسی مرد مومن اور مومن عورت کے لیے مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا ——— (سورہ الاحزاب آیت - ۳۶)
- وہ لوگ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ تعالےٰ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ ——— (سورہ الحج آیت - ۴۱)
- سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آئے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے ——— (سورہ النور آیت ۶۳)
- پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کے پیچھے پڑ گئے پھر عنقریب گمراہی کی سزا پائیں گے ——— (سورہ مریم آیت - ۵۹)
- اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جائے پھر وہ ان سے منہ موڑے ہمیں تو گنہگاروں سے بدلہ لینا ہی ہے ——— (سورہ السجدہ آیت ۲۲)
- اور جس نے انکار کیا پس تو اس کے انکار سے غم نہ کھا۔ انہیں ہمارے پاس آنا ہے۔ پھر ہم انہیں بتا دیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے۔ بے شک اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ ہم انہیں تھوڑا سا عیش دے رہے ہیں پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کرلے جائیں گے۔ (سورہ لقمان آیت ۲۳-۲۴)
- انکار کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں یہ ان کے حق میں بھلائی ہے۔ ہم تو انہیں مہلت اس لیے دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں زیادتی کریں اور ان کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے ——— (سورہ آل عمران آیت ۱۷۸)
- اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو وہ شوخی میں آکر اور بھی گناہ کرتا ہے۔ سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے اور البتہ وہ برا ٹھکانہ ہے ——— (سورہ البقرہ آیت ۲۰۶)
- اور اگر اللہ لوگوں کے اعمال پر نظر کرتا تو سطح زمین پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے۔ پس جب ان کا وقت مقررہ آجائے گا تو بے شک اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ——— (سورہ فاطر آیت ۴۵)

(خاموش مبلغ ملتان)

مدیر کے قلم سے

تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد

حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ نومبر کو روزنامہ جنگ لاہور کے آخری صفحہ پر ایک کونے میں یہ خبر نظر سے گذری کہ تحریکِ آزادی برصغیر کے نامور مجاہد اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے رفیق حضرت مولانا عزیر گل انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علالت اور ضعف ونقاہت کی خبریں کافی عرصہ سے آرہی تھیں۔ عمر بھی سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کے باوجود دل اس خبر پر یقین کرنے کو تیار نہ ہوا۔ خبر کو بار بار پڑھا۔ خبر مکمل تھی۔ ذمہ دار علمائے کرام کے تعزیتی پیغامات بھی ساتھ تھے۔ ماننے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا اور زبان پر بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہوا کہ موت ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے بہرحال جانا ہے۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

مولانا عزیر گلؒ کون تھے؟ آج کی نسل اس سے باخبر نہیں ہے اور نئی نسل کو اس کے ماضی اور اقدار وروایات سے باخبر رکھنے کی ذمہ داری جن حضرات پر ہے انہیں نہ اس کی ضرورت کا احساس ہے اور نہ ہی اس کی اہمیت ان کے ذہنوں میں موجود ہے۔

مولانا عزیر گلؒ اسی قافلۂ حریت کے فرد تھے جس نے برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں برٹش استعمار کے تسلط کے خلاف عسکری، تہذیبی، تعلیمی اور سیاسی جنگ لڑی اور بالآخر اسے شکست دے کر اس خطۂ زمین کی آزادی کی راہ ہموار کی۔

اس قافلۂ حریت کے ایک عظیم سالار شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ تھے جنہوں نے اس صدی کے دوسرے عشرہ میں متحدہ ہندوستان کی آزادی کا منصوبہ بنایا بلکہ کے طول وعرض میں مجاہدینِ آزادی کی فوج منظم کی۔ ترکی اور افغانستان کی حکومتوں کو جنگِ آزادی میں ہمنوا بنا کر ان کا تعاون حاصل کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ یہ منصوبہ برطانوی سی۔آئی۔ڈی کے کاغذات میں "ریشمی خطوط سازش کیس" کے نام سے اس کے ریکارڈ کا ایک اہم حصہ ہے اور ہماری تاریخ میں تحریک "ریشمی رومال" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ع دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

کے مصداق یہ منصوبہ عین اس وقت برطانوی سی۔آئی۔ڈی کے ہتھے چڑھ گیا جب کہ ملک کے اندر حریت پسند افواج کی ترتیب وتنظیم کا کام کم وبیش مکمل ہو چکا تھا اور ترکی کی خلافت عثمانیہ سے عسکری وسیاسی تعاون کے حصول کے لیے حجاز مقدس میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ترک حکام کے ساتھ مذاکرات میں مصروف تھے۔ جہادِ آزادی کی منصوبہ بندی کے بارے میں ریشمی رومالوں پر لکھے گئے خفیہ خطوط برطانوی کارندوں کے ہتھے چڑھتے ہی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور ان کے رفقاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ متحدہ ہندوستان کے طول وعرض میں تحریک سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات حراست میں لے لیے گئے۔

مولانا عزیر گلؒ اس تحریک اور منصوبہ بندی میں شیخ الہندؒ کے معتمد رفیق تھے اور انہی کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا جزیرہ میں کم وبیش پونے چار سال تک نظر بند بھی رہے۔ مولانا عزیر گلؒ مالاکنڈ ایجنسی کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دینی تعلیم کی تکمیل کی اور پھر انہی کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔

آزاد قبائل میں فرنگی فوجوں کے ساتھ مسلسل لڑنے والے حریت پسند قبائل کے ساتھ شیخ الہندؒ کے خصوصی روابط تھے اور اس علاقہ میں شیخ الہندؒ کے شاگردوں اور حریت پسند رفقاء

کی ایک بڑی تعداد مصروف جہاد تھی۔ قبائل کے ساتھ خفیہ روابط کے لیے مولانا عزیر گل ؒ کو شیخ الہندؒ کے معتمد ایلچی کی حیثیت حاصل تھی اور وہ باہمی رابطہ کا ایک اہم ذریعہ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا عزیر گلؒ پر کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانوی سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹوں کے مطابق حجاز مقدس میں ترک حکام کے ساتھ شیخ الہندؒ کا جو خفیہ معاہدہ طے پانے والا تھا اسے ہندوستان کے معتمد رفقاء تک پہنچانے کی ذمہ داری مولانا عزیر گلؒ کے سپرد ہوئی تھی۔ مولانا عزیر گلؒ اپنے استاذ اور قائد حضرت شیخ الہندؒ کے عاشق زار تھے۔ مالٹا کی تنہائیوں میں خدمت کی سعادت حاصل کی اور اپنے عظیم استاذ کے عظیم مشن میں ان کی رفاقت کا حق ادا کر دیا۔

مولانا عزیر گلؒ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی تک ان کے ساتھ متحرک رہے مگر ان کی وفات کے بعد عملی کام میں وہ مزہ نہ رہا اور قیام پاکستان کے بعد تو بالکل ہی گوشہ نشین ہو گئے۔ مالاکنڈ ایجنسی میں سخاکوٹ سے دو میل کے فاصلے پر سیرے نامی گاؤں ان کا آبائی گاؤں ہے وہیں سکونت اختیار کر لی۔

مدیر "الشریعۃ" کو متعدد بار حضرت مولانا عزیر گلؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس وقت صحت مند اور چاق چوبند تھے۔ مزاج میں بے تکلفی، نمود و نمائش سے دلی نفرت اور مہمان نوازی ان کی خصوصیات تھیں۔ اپنے محبوب استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی یادوں کے سہارے جی رہے تھے۔ انہی کا تذکرہ اکثر زبان پر رہتا اور بہت سے دوست تو یہی محبوب تذکرہ سننے ان کی مجلس میں جایا کرتے تھے۔

ان کا سینہ تحریک آزادی کی کئی ان کہی کہانیوں کا مخزن تھا۔ اے کاش کہ اس خزانہ کو تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ کرنے کا کوئی اہتمام ہو جاتا۔ مگر اب کف افسوس ملنے سے کیا فائدہ، وہ اپنی یادوں اور خزانوں سمیت ہم سے رخصت ہو چکے ہیں اور اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں۔

آمین یا الٰہ العالمین

یاحی یاقیوم

میر صاحب دی ہٹی

تازہ دیسی اور فارمی انڈے

بازار سے بارعایت خریدیں

احمد سعید میر انڈہ فروش

بازار جامع مسجد (سابق تھانیوالہ بازار) گوجرانوالہ

پروپرائٹر نور عبداللہ میر اینڈ برادرز

از قلم مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی

پیرِ طریقت

مولانا حافظ غلام حبیب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کو عالمِ اسلام میں یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس سرزمین پر اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے قدوم میمنت لزوم سے دینِ اسلام سے والہانہ محبت، اسلامی حمیت و غیرت کا چراغ روشن ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہوں یا خواجہ سید علی ہجویریؒ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا فیضان ہو یا خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی تعلیمات ہوں، حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی درخشندہ تاریخ ہو یا خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے کارنامے، سب اکابرین کی تاریخ ساز جدوجہد اور محنتؒ عرق ریزی نے انسانیت کے مردہ قلوب کو اسلام کی تابندہ روشنی سے منور کیا۔

عہدِ حاضر میں پوری دنیا کفر و ضلالت اور الحاد و مغربیت کی زد میں جاں بلب ہے۔ مسلم ممالک تک لادینیت کے زہر سے آلودہ ہیں۔ دہریت اور جدت طرازی نے ایک ارب بیس کروڑ مسلمانوں کی ثقافت و معاشرت اور تہذیب و تمدن کو تبدیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

غوایت و گمراہی کے ان مہیب سایوں، شرک و کفر اور بدعات و رسومات کے اندھیروں میں صرف ایک روشنی کی کرن اکابرینِ اسلاف اور اولیاءِ عظام کی تعلیمات کی صورت میں پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

اہلسنت والجماعت کے تمام مکاتبِ فکر ولایت و ریاضت کے چار روحانی سلسلوں سے منسلک ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے سلسلہ قادریہ، خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ سے سلسلہ سہروردیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے سلسلہ چشتیہ، حضرت مجدد الف ثانیؒ سے سلسلہ نقشبندیہ۔ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں ذکر الٰہی، صفائی قلب، تزکیۂ نفس اور انسانیت کی سچی تعمیر کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔

ہم زیرِ نظر مضمون میں عہدِ حاضر کی ایک ایسی برگزیدہ ہستی اور عبقری صفت انسان کا تذکرہ کریں گے جو سلسلۂ نقشبندیہ کا درخشندہ ماہتاب ہے جس کی عطر بیزی سے دنیا کے ۲۲ ممالک کے مسلمانوں کے قلوب معطر ہو رہے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کی یہ عظیم شخصیت اور لاکھوں مسلمانوں کے پیشوا حضرت پیر غلام حبیب نقشبندیؒ کے نام سے معروف ہیں۔ حال ہی میں جن کا سایہ اہلِ پاکستان کے سر سے اُٹھ گیا ہے۔ وہ لاکھوں مریدوں کو یتیم کر کے خلدِ بریں میں پہنچ چکے ہیں۔ آپ کے جنازے میں ایک لاکھ افراد شریک ہوئے۔ خانقاہ نقشبندیہ چکوال میں آج بھی اندرون اور بیرون ملک سے ہزاروں سوگواروں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔

حضرت پیر غلام حبیب صاحبؒ ۱۹۰۳ء بمطابق ۱۳۲۲ھ کو موضع کرڈھی وادی سون سکیسر ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم میں قاری قمرالدین صاحب سے حفظِ قرآن مکمل کیا۔ آخری تعلیم یعنی دورہ حدیث اور تفاسیر کی کتب شیخ الحدیث مولانا سید امیر فاضل دیوبند سے حاصل کی۔

تفسیر قرآن کے لیے آپ نے اپنے عہد کے نامور علماء اور جید اساتذہ کے فیضِ صحبت سے حظ وافر حاصل کیا۔ آپ کے ایک معتقد اور خصوصی شاگرد کے مطابق آپ نے ۱۹۳۲ء میں حرم کعبہ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے تفسیر قرآن کے اہم رموز سیکھے۔ علاوہ ازیں علم تفسیر میں آپ نے نامور مفسر اور عہدِ حاضر کے نابغۂ روزگار قرآنی علوم کے ماہر حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے شرفِ تلمذ پایا۔

چکوال میں آمد

۱۹۵۱ء میں آپ نے وطن مالوف کو خیرباد کہا اور مستقل طور پر چکوال

میں مقیم ہو گئے۔

حضرت پیر غلام حبیب نقشبندیؒ نے جن دنوں چکوال میں قدم رکھا پورا علاقہ معصیت وکفران اور ضلالت و غوایت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ چاروں طرف دین سے بے رغبتی، جہالت اور شرک وکفر کے مہیب سایے دراز تھے۔ صحابہ کرامؓ خلفاء راشدینؓ اور اہلبیت عظامؓ کا نام لینا اور ان کے فضائل بیان کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

جہالت وکفر کی اس سیاہ وادی میں قدم رکھنے کے بعد آپ نے ایک جامع مسجد میں درس وتدریس اور ذکرِ الٰہی کی محافل کا آغاز کیا۔

رفتہ رفتہ ہجوم اور عقیدت مندوں کا قافلہ بڑھتا گیا۔ آپ نے تھوڑے عرصے بعد دارالعلوم حنفیہ کے نام سے ایک دینی مدرسہ کا آغاز کیا۔

تعلیمی امور کے ساتھ آپ نے اپنے دور کی بڑی دینی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مولانا پیر غلام حبیبؒ نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بے مثال کردار ادا کیا۔ آپ نے علاقہ بھر میں قادیانیت کے کفر سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ خود طویل عرصے تک جیل کاٹی۔

سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق

چکوال میں تشریف آوری سے بہت قبل آپ نے مشہور روحانی سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق استوار کیا۔ اس کے لیے آپ احمد پور شرقیہ (بہاولپور) تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے حضرت مفضل علی قریشیؒ کے سلسلۂ عالیہ کے ایک چشم وچراغ حضرت پیر عبدالمالک صدیقی نقشبندیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ روحانی منازل طے کرتے ہوئے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے بے مثال ترقی حاصل کی اور اپنے مرشد کے خانوادہ سے خلافت کے خلعت سے مرصع ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ اور روحانیت کی اعلیٰ اقدار کو بام عروج تک پہنچانے کے لیے حضرت پیر غلام حبیب صاحب نے بے پناہ محنت کی۔ آپ کی عرق ریزی جہد مسلسل سعی پیہم ہی کا نتیجہ تھا کہ پاکستان اور غیر ملکوں سے لاکھوں انسان آپ کے آستانہ پر حاضر ہونے۔ دیکھتے دیکھتے چکوال کی چھوٹی سی مسجد اور مختصر سا دینی مدرسہ برصغیر کی نامور خانقاہ بن گئی۔ پاکستان کی چالیس سالہ تاریخ میں کسی خانقاہ سے اتنے لوگ منسلک نہیں ہوئے جتنے حضرت پیر غلام حبیب نقشبندیؒ کے حلقۂ ارادت میں لوگوں نے شرف بیعت پایا۔ آپ کو ایک نظر دیکھنے والا کوئی انسان آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا موصوف حسن وجمال اور قدرتی تاثر کی بے پایاں دولت سے بہرہ ور تھے۔ دن رات میں ۲۲-۲۲ گھنٹے آپ وعظ وتلقین میں گذارتے۔ بڑھاپے کی عمر تک آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حضرت پیر غلام حبیبؒ سال بھر میں تین چار مرتبہ بیرون ملک دوروں کے لیے تشریف لے جاتے۔ امریکہ، برطانیہ، زیمبیا، فرانس، فیجی، ماریشس، ملاوی اور ۲۲ اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

حال ہی میں جب سے آپ کی وفات کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی ہے دنیا بھر سے آپ کے مریدوں اور عقیدتمندوں کی کیفیت انتہائی قابلِ دید ہے جیسے ان کے سر سے حقیقی باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے۔

حضرت پیر غلام حبیب نقشبندی کے قائم کردہ دارالعلوم میں تین سو طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ آپ کی زندگی ہی میں دارالعلوم اور خانقاہ کی پرشکوہ تعمیرات کی تکمیل ہو چکی ہے۔ چکوال کے پورے علاقے میں ایسی تعمیرات ناپید ہیں۔

آپ کی وفات ۱۰ ستمبر بروز جمعرات ۱۹۸۹ء کو ہوئی دنیا بھر سے علماء، صلحاء، مشائخ، سیاستدان، ڈاکٹرز، پروفیسرز اور عام مسلمانوں نے شرکت کی۔ حضرت پیر غلام حبیب نقشبندیؒ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا عبدالرحمن قاسمی کی دستار بندی ہوئی۔ اس تقریب میں ملک بھر کے ہزاروں افراد شریک ہوئے۔

فرمودات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مہاجر وہ ہے جس نے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو ترک کیا۔

بشیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

اسلام کا فطری نظام

سمندر کا ایک ایک قطرہ، ریت کا ایک ایک ذرہ، درختوں کا ایک ایک پتہ اور زمین و آسمان کا ایک ایک شوشہ بزبانِ حال ہر باشعور کو پکار پکار کر یہ دعوتِ فکر دیتا ہے کہ تمہارا اپنے آقائے حقیقی کے ساتھ ایک ازلی رشتہ اور ایک ابدی علاقہ ہے جس نے تمہاری جسمانی راحت و آرام کا جو اہتمام فرمایا ہے اس سے کہیں زیادہ اس نے تمہاری کائنات روحانی کی آسائش و زیبائش کا معقول اور واضح تر انتظام کیا ہے۔ یہ بہتے ہوئے دریا، یہ اُبلتے ہوئے چشمے، یہ لہلہاتے ہوئے سبزے، یہ چہچہاتے ہوئے پرندے، یہ اُونچی اُونچی پہاڑیاں، یہ گھنی اور گنجان جھاڑیاں، یہ تناور اور پھل دار درخت، یہ خوش رنگ اور خوشبودار پھول اور پتیاں، یہ چرند و پرند، یہ نباتات و جمادات، یہ ارض و سماء اور یہ مادی عالم کے جملہ تغیرات، کیا یہ دعوت نہیں دیتے کہ زندگی کے ہر ہر لمحہ میں عبد اپنے معبود کو یاد رکھے۔ جلوت و خلوت، ظاہر و باطن، امارت و غربت، کسی حالت میں بھی اس کے خیال سے غافل نہ ہو۔ عبد منیب کا اپنے معبود حقیقی کے ساتھ یہ تعلق چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، صحت و سقم اور سفر و حضر کی کیفیات تک ہرگز محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحے اور حیاتِ ناپائیدار و مستعار کی ہر گھڑی میں وہ اپنے معبود ہی کی بے نیازی و عظمت کا اقرار کرتا ہوا نظر آئے گا کسی آن اور کسی شان میں بھی عبدِ مسلم کا رابطہ اپنے پروردگار سے ہرگز منقطع نہیں ہو سکتا۔ بندہ اپنی بندگی اور بے چارگی کے تعلقات کو اپنے ربِ ذوالمنن اور اس کے الطاف و عنایات کے ساتھ وابستہ و استوار رکھنے کے بغیر بندہ کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔

بندہ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف اور ڈر رکھنے کے باوجود بھی اس کی رحمت و رأفت کی قوی امید اور اس کی نصرت و دستگیری پر کامل اعتماد اور آسرا رکھے اور ہر وقت اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی ذاتِ کبریائی ہو۔ کھانے پینے کی کوئی مجلس ہو یا کھیل و شغل کی کوئی محفل، بے تکلف احباب کی ہما ہمی ہو یا اہل و عیال کی چہل پہل، خلوت کا کوئی گوشۂ تنہائی ہو یا جلوت کی رنگینی، بازار کی رونق ہو یا حجرہ کا کوئی زاویۂ خمول، میدانِ کارزار ہو یا شادی کی بزم، کہیں بھی اس کے ہاتھوں سے اپنے معبودِ حقیقی کی رضا جوئی کا مضبوط اور مستحکم سررشتہ ہرگز جُدا نہیں ہو سکتا اور زندگی کے کسی لمحہ میں بھی وہ اپنے معبود کی عظمت و جلالت کے خیال سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ کی بندگی اور بندوں کی بے چارگی کے ان مستحکم روابط اور تعلقات کا چولی دامن کا ساتھ ہے جو کسی وقت منفک نہیں ہو سکتے۔ ربِ قدیر سے مناجات کرتے ہوئے عبدِ منیب جب فطرت کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنی تمام نفسیات کا جائزہ لیتا اور اپنی ذاتی زندگی کا محاسبہ کرتا ہے اور جب اس عمیق مطالعہ کے بعد اپنا سر اُٹھاتا ہے تو حسبِ ارشادِ

خداوندی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ اگر وہ اس فطرت سے بیگانہ نہیں ہو چکا تو وہ خدائے ذوالجلال کے سامنے سرِ نیاز جھکا کر رقت انگیز لہجے اور محبت خیز لے میں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ ؎

ہمیشہ تیرے در پر ہو سرِ تسلیم خم میرا
رہے تیرے تصرف میں زباں میری قلم میرا

فطرتِ صحیحہ تک رسائی کا طریقہ

نفسانی خواہشات انسان کو انجام بینی سے روک کر تن آسانی اور راحت کا گرویدہ بنانے پر آمادہ اور مذہبی تقاضوں پر غفلت کے پردے ڈالنے میں مصروف و کوشاں رہتی ہیں۔ اکتسابِ اخلاقِ فاضلہ، خیر و شر کی حقیقی تمیز اور زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد و مرام تک پہنچنے اور ان کمالات کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں جو مذہب پر کاربند ہو کر آنے والے سفر میں بھی رفیقِ سفر رہتے ہیں۔

اگر آج کوئی متنفس ایسا باقی نہ رہے جو خدائے بزرگ و برتر کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ اور روزِ جزا کے مؤاخذہ سے بچنے کے لیے اپنی تمام خواہشاتِ نفسانی اور نفسِ امارہ کا مقابلہ کر سکتا ہو اور اگر تمام باتوں کو جو کسی نہ کسی حیثیت سے مذہب و دین کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، فنا کر دیا جائے تو یہ دلفریب اور دلکش دنیا نہ صرف یہ کہ بے لطف و بے رونق بن جائے گی بلکہ درندوں کا جنگل، وحشی جانوروں کا اکھاڑہ اور شیطانوں کی بستی بن جائے گی۔ بس اس بات کے تسلیم کر لینے میں ذرہ بھر تامل نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں اخلاق و روحانیت، تہذیب و تمدن اور تمدنی ترقیات اور عمدہ اخلاق کی بنیاد مذہب ہی نے قائم کی ہے اور مذہبیت کی عمر نسلِ انسانی کی عمر سے ایک دن بھی کم نہیں ہے اور مذہب کوئی وہمی اور خیالی چیز نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز حقیقی نہیں اور وہ ایک ایسی صداقت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور صداقت تصور میں نہیں آ سکتی۔ مگر یہ یاد رہے کہ مذہب سے مراد اس جگہ الٰہی، الہامی اور آسمانی مذہب ہے جس میں تمام عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات نیز حیات بعد الممات اور اسی طرح بے شمار دیگر احکام مشرح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ باقی دھریّ یا فلسفی محض عقلی اور خود ساختہ نظریات کو مذہب کہنا ہی اشد غلطی ہے اور ان بے بنیاد مذاہب کو عالمِ انسانیت میں کبھی کوئی اہمیت حاصل ہی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔

مذہب صرف وہ ہے جو رسول اور نبی کے ذریعہ دنیا میں شائع ہوا جس کی نشر و اشاعت کے لیے بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وقتاً فوقتاً دنیا میں مبعوث ہوتے رہے جنہوں نے فطرت اللہ کے موافق نسلِ انسانی کی بہترین رہنمائی کی اور توجہ الی اللہ کے لیے اظہارِ عبودیت کے مختلف اور متنوع اعمال و اشغال بتائے اور اس طرح فطرتِ انسانی کی شگفتگی کے ساتھ ہی ساتھ دین الفطرت بھی شگفتہ ہوتا گیا۔ جن لوگوں نے عقلِ صحیح اور الہامِ ربانی سے بے نیازی برتی اور اپنے ارادہ اور اختیار کا غلط استعمال کیا تو وہ فطرت اللہ کی تلاش میں آوارہ اور گم کردہ راہ بن کر انبیاء و ملائکہ، جنّات و بنی آدم، احبار و رہبان، چاند و سورج، ستارے و فرضی ارواح، دریا و پہاڑ، درخت اور آگ وغیرہ کو معبود سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگے اور اب بھی مختلف ملکوں اور متعدد قوموں میں آب و تاب کے ساتھ رنگ برنگ خود ساختہ دلائل سے اس کجروی کی ترویج کی جا رہی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

الغرض خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور فطرت اللہ کے موافق زندگی بسر کرنا وحیِ الٰہی کے بغیر بالکل ناممکن ہے کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اور اپنے علم و واقفیت کو کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار اور مقام تک پہنچائے پھر بھی وہ بغیر امدادِ خداوندی اور وحیِ الٰہی کے اور بدون رہبریِ رسول اور راہنمائی نبی کے نہ تو اپنی سعادت اور نجاتِ اُخروی کے طریقوں سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ نیکی اور بدی کا

کا پورا تعین کر سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے انسان کو توجہ دلائی ہے کہ تمہاری جسمانی پیدائش، بدنی پرورش اور روحانی تربیت کے تمام سامانوں کا پیدا اور مہیا کرنے والا صرف تمہارا حقیقی پروردگار ہے اور اس کی ربوبیت کے بغیر نہ تو تمہارا وجود ممکن ہے اور نہ تمہاری روحانی ترقی اور مقصدِ حیات سے ہمکنار اور فائز المرام کرنے کا کوئی اور موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہادیانِ برحق کو تعلیم ربانی پیش کرنے کا نہایت مدلل، پُراثر و دل نشین اور یقین آور ملکہ عطا فرمایا جس سے جاہل و عالم، دیہاتی و شہری، نوجوان و بوڑھا، مرد و عورت، غرض ہر طبقہ اور ہر حیثیت کا آدمی یکساں متاثر و مستفید ہوتا رہا اور اور اب بھی مستفیض ہو سکتا ہے ؎

انوارِ نبوت سے اب تک دن رات میں اک تابانی ہے
اے مہرِ درخشاں کیا کہنا اے شمع شبستاں کیا کہنا

اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کامل و مکمل دین، ناقابلِ ترمیم و تنسیخ شریعت اور معراجِ کمال تک پہنچانے والا بہترین اسوۂ حسنہ دے کر مبعوث فرمایا جو تمام عالم کی ہدایت اور رہبری کے لیے بھیجے گئے۔

چونکہ آپ وحی الٰہی کے مہبط اور خداوند تعالیٰ کے مخاطب اور احکامِ خداوندی کے سب سے پہلے تعمیل کنندہ اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے خواہاں اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے فرمانبردار اور مطیع تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے مکمل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا تھا لہٰذا وہی سب سے بہتر وحی الٰہی کے منشاء و مراد کے سمجھنے اور سمجھانے والے تھے اور اسی لیے آپ کی اطاعت عین خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آپ ہی کے مکمل نمونے کی پیروی سے دینِ حق دنیا میں قائم ہے۔ آپ کا ہر ایک حکم دین کے معاملے میں ایسا ہی واجب التعمیل اور ضروری ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کا حکم اور ظاہر ہے کہ آپ کا ہر ایک حکم خدا تعالیٰ ہی کے منشاء کے ماتحت ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف آپ کسی کو کوئی حکم نہیں دیتے تھے۔ اگر کسی موقع پر آپ سے کوئی اجتہادی لغزش سرزد ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ تنبیہ نازل فرما کر اصلاح فرما دیا کرتا تھا اور اس لغزش پر آپ کو ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔

آپ کے ایسے احکام کو جو قرآن کریم کے سوا ہیں وحی خفی اور حدیث کہتے ہیں اور یہ ایک واشگاف حقیقت ہے کہ صحیح وحی خفی اور حدیث یقیناً وحی جلی اور قرآن کریم ہی کی تفسیر اور اس کی تشریح ہے، اس کی مخالف ہرگز نہیں۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا اور آپ کی نافرمانی سے منع کیا گیا ہے کہ امت کے لیے آپ بہترین نمونہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

(پ۵۔ النساء۔ ۱۱)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔

نیز فرمایا کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (پ۳ آل عمران ۴۰)

اے رسول! آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (پ۲۱۔ احزاب ۳)

مسلمانو! تمہارے واسطے جناب رسول اللہ کا طرزِ عمل پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے

غرض کہ جیسے آپ کی ہستی (باقی صفحہ ۔ پر)

کیا افغان مجاہدین کی جنگ مسلمان اور مسلمان کی جنگ ہے؟

حرکۃ الجہاد الاسلامی کے سالانہ اجتماع سے مدیر الشریعۃ کا خطاب

۱۲-۱۳ دسمبر ۱۹۹۰ء کو جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور میں حرکۃ الجہاد الاسلامی (عالمی) کا سالانہ اجتماع ہوا جس کی صدارت حرکۃ الجہاد الاسلامی (عالمی) کے امیر مولانا قاری سیف اللہ اختر نے کی اور اس کی مختلف نشستوں سے ملک کے اکابر علماء کرام اور زعماء نے خطاب فرمایا۔ "مدیر الشریعۃ" نے اپنے خطاب میں جہادِ افغانستان کے بارے میں مختلف حلقوں کی طرف سے اٹھائے جانے والے اہم سوالات کا جائزہ لیا۔ ان کا خطاب درج ذیل ہے (ادارہ)

بعد الحمد والصلوٰۃ!

جناب صدر، قابلِ صد احترام علماء کرام اور میرے مجاہد بھائیو!

میں حرکۃ الجہاد الاسلامی کے امیر مولانا قاری سیف اللہ اختر کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس اجتماع میں حاضری اور جہادِ افغانستان کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع فراہم کیا۔ وقت مختصر ہے اور علماء کرام کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جنہوں نے آپ سے مخاطب ہونا ہے۔ اس لیے انتہائی اختصار کے ساتھ کسی تمہید کے بغیر جہادِ افغانستان کے بارے میں عام طور پر کیے جانے والے دو اہم سوالوں کا جائزہ لوں گا۔

میرے محترم بھائیو! آپ حضرات میں بہت سے دوست وہ ہیں جو محاذِ جنگ پر جا کر عملاً جہاد میں شریک ہو چکے ہیں اور بہت سے نوجوان ایسے ہیں جن کے دلوں میں جہاد کا جذبہ موجزن ہے اور وہ محاذِ جنگ پر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جہادِ افغانستان کے بارے میں بعض حلقوں کی طرف سے پھیلائے جانے والے شکوک کا جائزہ لیا جائے تاکہ ذہنوں میں کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔

حضراتِ محترم! جہادِ افغانستان کے بارے میں اس وقت جن دو سوالوں پر سب سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ جب روسی افواج افغانستان سے چلی گئی ہیں تو اب جہاد جاری رکھنے کا شرعی جواز کیا باقی رہ گیا ہے؟ اور کیا افغانستان میں ہونے والی موجودہ جنگ مسلمان کی مسلمان کے ساتھ جنگ نہیں ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ افغان مجاہدین نے اب تک جو جنگ لڑی ہے اس میں انہیں امریکہ، پاکستان اور دوسرے ممالک کی پشت پناہی حاصل تھی مگر اب ان ممالک کی پالیسیوں میں تبدیلی نظر آ رہی ہے اور پشت پناہی اور امداد کی پہلی کیفیت باقی نہیں رہی۔ ان حالات میں افغانستان کی جنگ اب کس حال میں ہے؟ اس کا مستقبل کیا ہے؟ اور اس کے جیتنے کے امکانات کس حد تک ہیں؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس کے جواب میں

دو باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔ ایک یہ کہ سب سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جہادِ افغانستان کا اصل ہدف کیا تھا؟ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے کہ افغان مجاہدین نے روسی فوجوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تھا۔ اس لیے روسی فوجوں کی واپسی کے ساتھ ہی یہ جہاد ختم ہو گیا ہے کیونکہ جب افغانستان میں جہاد کا آغاز ہوا تھا اور افغان علماء نے جہاد کا فتویٰ دے کر ہتھیار اٹھائے تھے اس وقت افغانستان میں روسی فوجوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ افغان علماء نے کابل میں کمیونسٹ نظام کے تسلط اور اسلامی اقدار و روایات کے خلاف کابل کی کمیونسٹ حکومت کے اقدامات کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ روسی فوجیں تو بہت بعد میں آئی ہیں اور اس وقت آئی ہیں جب افغان مجاہدین باقاعدہ عملی جنگ کے ذریعے افغانستان کا ایک اچھا خاصا علاقہ کابل کی کمیونسٹ حکومت کے تسلط سے آزاد کرا چکے تھے۔ روسی فوجیں کابل میں اپنی حکومت اور نظام کو بچانے کے لیے آئی ہیں اور کمیونسٹ انقلاب کو مجاہدین کے ہاتھوں شکست سے بچانے کے لیے جنگ میں شریک ہوئی ہیں۔

اس پس منظر میں آپ دیکھیں کہ کابل میں جس کمیونسٹ حکومت اور کمیونسٹ نظام کے خلاف افغان مجاہدین نے جہاد کا آغاز کیا تھا کیا اس کا خاتمہ ہو گیا ہے؟ اگر کابل کی حکومت موجود ہے اور اپنے نظریاتی موقف اور نظام و انقلاب پر قائم ہے تو اس کے خلاف افغان مجاہدین کا جہاد بھی اپنی مکمل شرعی حیثیت کے ساتھ جاری ہے۔ یہ جس طرح پہلے دن شرعی جہاد تھا آج بھی شرعی جہاد ہے اور اس وقت تک شرعی جہاد رہے گا جب تک کابل پر کمیونسٹ انقلاب کا تسلط ختم نہیں ہو جاتا اور اس کی جگہ ایک خالص نظریاتی شرعی حکومت قائم نہیں ہو جاتی۔

دوسری گذارش سوال کے اس پہلو کے بارے میں ہے کہ یہ مسلمان اور مسلمان کی جنگ ہے اور دونوں طرف سے مسلمان ہلاک ہو رہے ہیں۔ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑتا کہ جو نام نہاد مسلمان کفر کی حمایت و حفاظت کے لیے جنگ لڑ رہے ہیں ان کا مسلمان ہونا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے۔ میں انہی بھائیوں کی زبان میں بات کرتا ہوں جو کہتے ہیں کہ یہ مسلمان اور مسلمان کی جنگ ہے' اس لیے شرعاً اسے جہاد کہنے کا جواز باقی نہیں رہا۔

دیکھیے جس نوعیت کی جنگ آج افغان مجاہدین روسی استعمار کے خلاف لڑ رہے ہیں اسی طرح کی جنگ ہمارے اکابر نے برٹش استعمار کے خلاف لڑی تھی۔ برطانوی استعمار نے اسی طرح برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش پر قبضہ کر کے اپنا نظام مسلط کیا تھا اور ہمارے بزرگوں نے' علماء حق نے اکابر نے اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور علماء حق نے مختلف اوقات میں مختلف محاذوں پر انگریزوں سے جنگ لڑی تھی۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان جنگوں میں فرنگی کی فوجوں میں مسلمان تھے یا نہیں تھے؟ کئی ریاستوں کے مسلم حکمران اور ان کی فوجیں فرنگی مقاصد کے لیے مجاہدینِ آزادی کے خلاف جنگ میں شریک ہوئی تھیں یا نہیں؟ شہدائے بالاکوٹ کو دیکھ لیجئے۔ امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور امام المجاہدین شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جن سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا کیا ان کے ساتھ مسلمان نہیں تھے؟ کیا کفار کی فوج میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے شریک ہو جانے سے یہ جنگ مسلمان اور مسلمان کی جنگ بن گئی تھی اور شرعی جہاد نہیں رہا تھا؟

۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کو دیکھ لیجئے۔ ہم آج بھی اپنی تقریروں میں کہتے ہیں کہ مسلمان کہلانے والے نوابوں' جاگیرداروں' سرداروں' خان بہادروں اور وڈیروں نے اس جنگ میں انگریز کا ساتھ دیا تھا۔ انگریزی فوج کو سپاہی مہیا کیے تھے۔ ہم مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے خاندان کی انگریزی حکومت سے وفاداری ثابت کرنے کے لیے مرزا قادیانی کی کتابوں سے یہ حوالے دیتے ہیں کہ اس کے باپ نے اور دادا نے انگریزی فوج کے لیے ۱۸۵۷ء میں سینکڑوں گھوڑے اور سپاہی مہیا کیے۔ کفر کا فتویٰ تو مرزا غلام احمد پر اس کے دعوائے نبوت کی وجہ سے لگا ہے۔ اس کے باپ اور دادا

پر تو کسی نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا تھا۔ کیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے فرنگی فوجوں میں شامل ہو جانے سے اس کا جہاد ہونا مشکوک ہو گیا تھا؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے کیونکہ ہم سب یہ مانتے ہیں کہ شہدائے بالاکوٹ کی جنگ شرعاً جہاد تھی اور ۱۸۵۷ء کا معرکہ شرعاً جہاد تھا تو افغان مجاہدین کی جنگ بھی مسلمان اور مسلمان کی جنگ نہیں بلکہ شرعی جہاد ہے۔

ایک بات میں علماء کرام سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی مسلمان کفر کے نظام کا حامی بن جائے اور نظام کفر کی فوج میں شامل ہو کر جنگ میں مسلمانوں کے مقابل آجائے تو اس کا حکم شرعاً کیا ہے۔ کیا اس کو گولی مارنے سے اس لیے گریز کریں گے کہ وہ کلمہ پڑھتا ہے اور کیا اس کو گولی مارنے سے اس جنگ کی شرعی حیثیت تبدیل ہو جائے گی؟

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! یہ سب پروپیگنڈا ہے اور جہادِ افغانستان کو سبوتاژ کرنے کی سازش ہے جس کا مقصد مجاہدین کے حوصلوں کو پست کرنے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کی حمایت سے روکنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اب آئیے دوسرے سوال کی طرف کہ امریکہ اور پاکستان کی افغان پالیسی میں محسوس کی جانے والی منفی تبدیلی کے بعد جہادِ افغانستان کس حال میں ہے اور اس کا مستقبل کیا ہے؟

اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ کتنا ہی خلاف واقعہ ہے کہ افغان مجاہدین نے یہ جہاد امریکہ اور دوسرے ممالک کی پشت پناہی کی وجہ سے شروع کیا تھا کیونکہ جب افغان علماء نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور ان کی قیادت میں مجاہدین پہلے کابل حکومت اور پھر روسی فوجوں کے خلاف صف آرا ہوئے تھے تو امریکہ اور دوسرے حمایتیوں کا کہیں دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ اس وقت تو یہ سمجھا جا رہا تھا کہ یہ چند بے وقوف مولوی ہیں، روسی فوجوں سے ٹکرانا ان کے بس کی بات نہیں، دو چار ہفتوں میں صاف ہو جائیں گے لیکن جب مجاہدین ڈٹے رہے اور انہوں نے افغانستان کا کم از کم چالیس فی صد علاقہ روسی فوجوں کے تسلط سے محفوظ کر لیا تو امریکہ اور دوسری طاقتیں متوجہ ہوئیں اور انہوں نے افغان مجاہدین کی عملی امداد کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جہادِ افغانستان کے آغاز کے بعد کم از کم تین سال تک مجاہدین نے تن تنہا جنگ لڑی ہے، روسی فوجوں کا اسلحہ چھین کر لڑی ہے، بے سروسامانی کی حالت میں لڑی ہے، فقر و فاقہ اور کسمپرسی کے عالم میں لڑی ہے اور ایمانی قوت کے ساتھ میدان میں ڈٹ کر دنیا کو بتایا ہے کہ ایمان اور جذبہ آج بھی دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے۔

دوسری بات یہ ذہن میں رکھیں کہ امریکہ کی امداد کے بارے میں مجاہدین اور ان کے ہمنوا کبھی اس غلط فہمی کا شکار نہیں رہے کہ یہ آخر وقت تک جاری رہے گی۔ سب جانتے ہیں کہ یہ امداد اپنے مفادات کے لیے امریکہ نے دی ہے جب تک روسی فوجیں افغانستان میں موجود تھیں امریکہ کا مفاد اس میں تھا کہ مجاہدین کو امداد دی جائے اور انہیں مضبوط کیا جائے اور جب روسی فوجیں چلی گئی ہیں تو امریکہ کا مفاد اس میں ہے کہ مجاہدین کو کمزور کیا جائے اور کابل پر ان کی حکومت کو قائم ہونے سے ہر قیمت پر روکا جائے۔ یہ صرف امریکہ کا مفاد نہیں بلکہ اسلام آباد، ڈھاکہ، انقرہ، قاہرہ، خرطوم، جکارتہ اور دوسرے تمام مسلم دارالحکومتوں کا مشترکہ مفاد ہے کیونکہ اگر کابل میں خالص نظریاتی شرعی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو مسلم ممالک کے دارالحکومتوں میں منافقت کا اسلام کابل کی اسلامی حکومت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اسے میدان سے ہٹنا پڑتا ہے، دستبردار ہونا پڑتا ہے اور مسلم ممالک میں منافقت اور دکھاوے کے اسلام کی شکست امریکہ کی شکست ہے، اس کے مفادات کی شکست ہے اور عالم اسلام پر اس کی بالادستی کی شکست ہے۔ اس لیے سب مل کر اس گٹھ جوڑ میں مصروف ہیں کہ کابل پر مجاہدین کی حکومت قائم نہ ہونے دی جائے اور ظاہر شاہ یا اس قسم کے کسی اور نام سے دکھاوے کی مسلمان حکومت کابل میں بھی قائم کرا دی جائے لیکن میں افغان مجاہدین اور جہادِ افغانستان کے زعماء کی بصیرت و جرأت کو (باقی ص [illegible] پر)

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

دینی تعلیم و مدارس کی اہمیت

پھلت ضلع مظفر نگر (انڈیا) میں ایک دینی مدرسہ کے افتتاح کے موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا بصیرت افروز خطاب

حضرات علماء کرام، برادران عزیز!

پھلت کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہر صاحب علم کو خاص طور پر جو تاریخ کا طالب علم رہا ہو خصوصاً ہندوستان کی تاریخ کا اس کے لیے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اسے پھلت کے وہ نامور (افراد) یاد آجائیں جو صرف پھلت ہی کے لیے باعث فخر نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے۔

بارہویں صدی ہجری جس میں اس عہد کا سب سے بڑا عالم دین، یہ میں پوری بصیرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اسرار شریعت کا سب سے بڑا شارح مسلمانوں کی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کا قائد یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ، مجھے تاریخ لکھنے کے سلسلے میں، خصوصاً شاہ ولی اللہؒ کے عہد کی شخصیتوں، تحریکوں پر قلم اٹھانے کے سلسلہ میں اس عہد کا مطالعہ کرنا پڑا۔ علامہ اقبالؒ نے مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں کہا تھا ع

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

میں اسی مطالعہ اور فکر کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس پورے برصغیر میں اب تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کا شروع کیا ہوا دور چل رہا ہے۔ عربی مدارس، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جتنے بھی مدارس اسلامیہ ہیں یہ سب استفادہ اور تسلسل ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مسلک و مزاج کا، ان کا مزاج ہے ولی اللہی اور اسی وقت تک ہی ان میں خیر و برکت اور افادیت ہے جب تک ان میں ولی اللہی مزاج قائم ہے۔ اس لحاظ سے ہمارے لیے پھلت سیرگاہ نہیں بلکہ زیارت گاہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاف اور خلفاء دونوں عطا کیے ہیں۔ اخلاف میں امام الہند شاہ عبدالعزیزؒ، علوم عقلیہ کے امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور شاہ عبدالقادرؒ جن کا ترجمہ قرآن پاک مشہور ہے۔ غیر عربی میں اب تک کسی بھی زبان میں اس سے بہتر کسی نے نہیں کیا۔ پھر ان کے پوتے صاحبزادے شاہ عبدالغنی جن کو موقع نہیں ملا، اللہ نے ان کو نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسا من اذکیاء العالم فرزند ملا۔ یہ تو ان کے اخلاف تھے اور خلفاء میں آپ دیکھیں سید احمد شہیدؒ خلیفہ شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا عبدالحی شاہؒ شاہ محمد اسحٰقؒ جو درس و تدریس کے بھی امام ہیں اور سلسلۂ تصوف شریعت کے بھی ہیں۔ دہلی کو یہ خانوادہ پھلت کا عطیہ ہے۔ پھلت میں داخل ہوتے ہی یہ تمام تاریخ سامنے آجاتی ہے اور یہ تاریخ وہی ہے عالم اسلام کی کہ جب دارالحکومت میں عہدوں کو حاصل کرنے کی وجہ سے، معنوی

زندگی کی بنا پر قوی سست ہونے لگے، رگوں میں خون منجمد ہونے لگا تو قصبات نے نیا خون عطا کیا۔ آپ نے نہ صرف سلطنت مغلیہ کے دارالخلافہ بلکہ مرکزِ علم و سلوک و جذبۂ جہاد دہلی کو پھلت نے اتنا بڑا تحفہ عطا کیا۔ خانوادۂ ولی اللہی۔ اس سے بڑھ کر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس طرح لکھنؤ کو سہالی کے ایک قصبہ نے خانوادۂ علماء فرنگی محل عطا کیا ایسے ہی جب بغداد میں اضمحلال پیدا ہوا، حکومت کے شر نے قوی کو مضمحل کر دیا اور سوائے حصولِ منصب کے کوئی مقصد لوگوں کے سامنے نہ رہا تو ایران کے ایک قصبہ جیلان نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا تحفہ دیا جس نے پورے عالم اسلام کو عشقِ الٰہی کے سوز سے بھر دیا، جس کی لہریں افریقہ تک پہنچیں۔ ایسے ہی ایران کے ایک معمولی قصبہ نے امام غزالیؒ جیسا مفکر عطا کیا۔ الغرض قصبات نے ہر دور میں دارالحکومت کو ایسا چمکتا ہوا، دمکتا ہوا نیا خون عطا کیا جس نے پورے پورے ملکوں کو گرما دیا۔ بہت سے لوگ اس کو بھول جاتے ہیں کہ یہ نیا خون کس نے عطا کیا۔ بڑے بڑے شہروں کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے اور وہ آڑ بن جاتی ہے۔ جہاں ایسے مردم خیز قصبوں میں جا کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے۔ خدا کے دین کی بھی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کی وسعت معلوم ہوتی ہے وہاں یہ ذہن بھی جاتا ہے جو نفسیاتی ردِ عمل بھی ہے کہ اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے اور خدا کی مُردے سے زندہ کو پیدا کرنے کی جو قوت ہے یخرج الحی من المیت اس کو بھول کر ذہن کے کسی گوشہ میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ اب تو بس تاریخ کو اور ان کے کارناموں کو پڑھنا چاہیے اور اپنے معاش میں لگنا چاہیے تو آپ کے سامنے پھلت کا جو تاریخی تعارف کرایا گیا ہے اس نے مجھے آمادہ کیا کہ میں یہ آیت پڑھ کر سنا دوں

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ
عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا

ہم ان کو بھی بھر بھر کر دیتے ہیں اور ان کو بھی ھٰٓؤُلَآءِ وَھٰٓؤُلَآءِ اور دیتے رہیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے۔ یعنی یہاں کہنا کہ "ہم دیتے ہیں" صحیح نہیں اور "دیتے رہیں گے" یہ بھی صحیح نہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "دیتے رہیں گے" تمہارے رب کی دین میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے کہ اب اگر دے دیا تو انتظار کرو دیے گا برس کا۔ ہمارے رب کی عطاء میں کوئی بندش نہیں ہے، کیونکہ اس کی بخشش لامحدود ہے۔ وما کان عطاء ربک محظوراً۔

اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کہا تھا ؎

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں بھی قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں، ہمت بلند ہو، اخلاص و سعی ہو، اللہ تعالیٰ نے کوشش کی بھی جا بجا تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو بھی ضائع نہیں کرتا، قریہ قوت تو محبوب ہے۔ رحمۃ للعالمین کی قوت ہے، اشرف الامم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو انسانیت بھی عزیز ہے، اپنی پیدا کی ہوئی دنیا بھی عزیز ہے۔ جس ماحول کا ہمارے لیے انتخاب کیا گیا ہے یا ہمارا جس ماحول کے لیے انتخاب کیا گیا ہے اس کے ساتھ ہمارا جوڑ ہو اور ہم اس فضا میں اپنی افادیت ثابت کریں۔ ہمارے اکابر مجدد الف ثانیؒ ہوں یا شاہ ولی اللہؒ ہوں یا شاہ عبدالقادرؒ ہوں، انہوں نے زمانے کی نبض پہچانی۔ انہوں نے دیکھا کہ زمانے کو روحانیت کی ضرورت ہے۔ علم صحیح کی ضرورت ہے، توحید خالص کی، حدود اور انانیت سے بلند ہو کر اعمال میں روح پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ طلب رضا الٰہی کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی انہوں نے دیکھا کہ اس وقت انسانیت کس چیز کی پیاسی ہے۔ وہ زندہ رہنے کا استحقاق کھوتی چلی جا رہی ہے اس سے جو مظالم سرزد ہو رہے ہیں اس سے جو حق تلفیاں ہو رہی ہیں اس سے جو خونِ انسان ارزاں ہو رہا ہے اور پانی کی طرح بہہ رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نسلِ انسانی

ے خاتمہ کا فیصلہ نہ کرے کیونکہ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ ۔

جو جھاگ ہے وہ چلا جاتا ہے اور جو چیز نافع ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بقا مربوط ہے نافعیت کے ساتھ جو چیز اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے، جو گروہ، کوئی مرکز دعوت یا تحریک اپنی نافعیت کھو بیٹھتی ہے تو وہ اس کی مستحق نہیں رہتی کہ قائم رہے، یہی سنت اللہ ہے۔

ان بزرگانِ دین نے دونوں کام کیے۔ ہماری نظر اس پر تو جاتی ہے کہ انہوں نے ملت کو کیا دیا۔ حدیث و تفسیر میں کیسی نئی راہیں نکالیں، علوم اسلامیہ میں کتنا عمق پیدا کیا، ماحول میں کیا روحانیت پیدا کی لیکن ہماری نظر اس پر نہیں جاتی کہ انہوں نے غیر مسلموں کی نظر میں اسلام کا کس درجہ احترام پیدا کیا۔ سیرت نبوی کو غور سے دیکھنے، پڑھنے، مطالعہ کرنے پر کس طرح آمادہ کیا؟ مؤرخین نے بھی اس پر پردہ ڈالا۔ جہاں انہوں نے علم کے دریا بہائے، مسند درس بچھائی وہیں اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا، اسلام کے حقانی و مطابق عقل ہونے کا اور اسلام کے اس دنیا کی پیاس بجھانے کا ثبوت دیا، یقین دلایا۔ ہمارے سوانحی لٹریچر میں یہ پہلو بہت مغلوب رہ گیا ہے۔ آج میں کہتا ہوں کہ ملتِ اسلامیہ کو یہ دونوں کام کرنے ہیں۔ عقائد صحیحہ، عبادات مقبولہ، طلبِ خداوندی کے ذریعے ملت کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے صحیح بھی ہو، قوی بھی ہو، دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ صرف صحیح ہونا کافی نہیں۔ قوی بھی ہو۔ صرف قوی ہونا کافی نہیں صحیح بھی ہو، عبادت تو مشرکین بھی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً لیکن اس کے ساتھ ساتھ خصوصاً اس زمانے میں ملت کا یہ فریضہ بھی ہو گیا ہے کہ اپنی نافعیت ثابت کرے۔ ہماری وجہ سے کتنی بلائیں ہیں جو ٹل رہی ہیں، ہم اس ملک کے لیے باعث رحمت و برکت ہیں۔ یہ سب جبھی ہو گا جب آپ صحیح انسان بن کر بازاروں، دفتروں میں جائیں جو انہیں سوچنے پر مجبور کرے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس نے بھی ایسا انسان بنا دیا۔ ہم بتائیں کہ اس ملک کے لیے پہاڑ، دریا، سمندر اتنے ضروری نہیں جتنے کہ ہم۔ ہمارا پیامِ انسانیت، ہماری خاموشی۔ ہم ایسے دوراہے پر آ گئے ہیں کہ ایک راستہ سیدھا ارتداد کی طرف جا رہا ہے۔ میں اس سے کم درجہ کا لفظ استعمال کرنے پر تیار نہیں۔ اگر کوئی آسمان سے ویسا اشارہ نہ ہوا اور قدرتِ خداوندی کی کوئی مداخلت نہ ہوئی تو اس کے صاف آثار ہیں۔ آثار ہی نہیں بلکہ آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تصور کی آنکھ سے جس میں صرف تصور نہیں بلکہ تصویر بھی شامل ہے کہ آئندہ نسل شاید اسلام کے بنیادی عقائد سے بالکل ناآشنا ہو صرف ناآشنا مطلق طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے بالمقابل اسلام کے برخلاف عقائد و تصورات کی حامل ہو، مشرکانہ عقائد کی قائل ہو۔ ایسے خطرناک دوراہے پر آ گئے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے لیے اپنی ساری توانائی صرف کر ڈالیں تو شاید آنے والی نسل ۲۵ برس بعد یہ تو زیادہ کہہ دیا بلکہ ۱۵ برس کے بعد خطرہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے نام سے بالکل ناآشنا ہو۔ اس کی مثالیں سامنے آنے لگی ہیں کہ سکولوں کے بچے بہت سے اللہ کا لفظ صحیح نہیں لکھ سکتے۔ پوچھتے ہیں کہ ہم اللہ کس طرح لکھیں اور آج نوجوانوں کی ایک تعداد یہ سمجھتی ہے کہ اس دھرتی کو کرشن یا رام چلاتے ہیں۔ ہندو علم الاصنام، ہندو دیومالا، بچوں کے ذہنوں پر اثر کر رہی ہے۔ ابھی ٹی۔وی پر "راماین" جو سیریل چل رہی ہے، کالج کی جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اس سے جوانوں کے ذہن و دماغ متاثر ہو رہے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔

معاملہ عالم و فاضل یا مفسر و محدث بنانے کا نہیں، بلکہ معاملہ ہے جہنم سے بچانے کا، دوزخ کی آگ سے بچانے کا۔ ایک جلسہ میں ایک بہن ایسی تھیں کہ جن کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی

تھیں۔ عورتوں نے پوچھا کہ بہن! سر میں درد ہے؟ کچھ پیٹ میں تکلیف ہے؟

بولیں: "کچھ نہیں"

پھر مزید اصرار پر بتایا: "میں بچہ سوتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر دیاسلائی رکھی ہوئی ہے۔ اگر وہ بچہ جاگ گیا اور چل کر وہاں تک گیا اور دیاسلائی سے تیلی نکال لی، پھر اپنے کپڑوں میں آگ لگالی تو کیا ہوگا؟"

عورتوں نے پوچھا کہ بچے کی عمر کیا ہے؟

بولی: "ڈھائی سال کا ہے"

سب نے کہا، ہوش کی باتیں کرو۔ وہ اتنا چھوٹا بچہ چارپائی سے کیسے اترے گا؟ اور پھر چل کر وہاں تک جائے گا؟ اور جاکر وہ یہی ایک کام کرے گا؟

جواب دیا۔ تمہارا بچہ ہوتا تو جانتیں؟ میرا بچہ ہے اس لیے مجھے ڈر ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمارے ماں باپ کے دل میں یہ خیال پیدا کیوں نہیں ہوتا کہ اگر ہم نے بچے کو کلمہ، نماز نہ سکھائی، توحید کا سبق یاد نہ کرایا، ابراہیم کی بت شکنی نہ سمجھائی تو کل وہ مشرک اٹھے گا۔ یہاں تو بالکل خطرات نہیں بلکہ مشاہدات ہیں وہاں تو ایک دور دراز کا اندیشہ تھا۔ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک لڑکا ڈھال کی سڑک پر سائیکل پر جارہا ہے اور آگے گہری کھائی ہے۔ سائیکل سے اتر جاؤ۔ اسی طرح آج ہمارے سامنے گہری کھائی ہے۔ وہ کھائی ہندو دیومالائی ہے، بت پرستی ہے۔ مسلمانوں کے دل سے شرک و بت پرستی کی طرف سے ایسے گھن آنا ضروری ہے جیسے پاخانہ پیشاب سے بلکہ اس سے زیادہ گھن آنا ضروری ہے۔ یہ تکدر، یہ تعفن یہ وحشت دور ہوتی جارہی ہے حالانکہ ایک مسلمان کو سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہونا تھا کہ کل وہ مشرکانہ عقائد لے کر نہ اٹھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچہ کو قتل کردینے کا واقعہ تشریعی نہیں ہے اس پر عمل آج نہیں ہوسکتا مگر یہ قصہ قرآن میں قیامت تک پڑھا جائے گا۔ اس کا مقصد وافادیت یہ ہے کہ مسلمان سمجھے کہ خاندان کے لیے فتنہ بننے والا بچہ کتنا منحوس ہوتا ہے۔ اس قصہ کو قرآن نے جگہ دی تاکہ معلوم ہو کہ خطرہ کتنا بڑا تھا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو کھلی ہوئی بت پرستی سے، مشرکانہ عقائد سے بچانے کے لیے اپنے گھٹنے ٹیک دیجئے، ہر ممکن کوشش کرڈالیے، سکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لیے خالی وقتوں میں پرائیویٹ کلاسز کا انتظام کرائیے یا ان مدارس ومکاتب میں داخل کرائیے۔ یہ مدارس و مکاتب آج ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں، سانس کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر سانس چل رہا ہے تو ہم زندہ ہیں ورنہ ختم اور اپنے ماحول کو مانوس کریں۔ فضا اگر یونہی اشتعال انگیز رہی تو کسی وقت چنگاری سے آگ لگ سکتی ہے۔ اگر ہمیں دیکھ کر ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار نمودار ہوتے رہے۔ وہ دیکھتے رہے کہ ہم میں اخلاق کردار، نہ افادیت، ہم بھی وعدہ خلاف اسی طرح ہیں بھی، جس طرح ہم جھوٹ بولتے ہیں اسی طرح یہ بھی، تو صرف ہم اپنے لیے ہی نہیں بلکہ اسلام کے باقی رکھنے کے لیے بھی اس ملک میں خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابر جو افریقہ، مراکش، سپین تک اسلام کو پھیلاتے چلے گئے، یہ صرف زبانی کام نہیں بلکہ اس میں کردار بھی شامل تھا جنہیں دیکھ کر خود بخود غیرمسلموں میں جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ اسلام کو قبول کریں۔ مسلم پرسنل لاء کی لڑائی اسی لیے لڑی گئی تھی کہ عائلی تعلقات، میراث، طلاق، نکاح سب اسلامی طریقہ پر ہوں جس کے لیے سب مطالعہ کرنے والے علماء اپنے گھروں سے نکل کر میدان میں آگئے۔ عائلی قانون کی بھی حفاظت کرنی ہے، اپنے ملی تشخص کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ اس کا قریب ترین ذریعہ یہ دینی مدارس و مکاتب ہیں، دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ یہ سمیت جو پانی، ہوا، سانسوں اور ماحول اور فضا میں آگئی ہے اسے دور کریں۔ اسلام کا تعارف کرائیں ورنہ کسی چیز کا موقع باقی نہ رہے گا۔

"پیام انسانیت کی تحریک" یہ ایک چہار دیواری ہے (باقی صفحہ ۲۱ پر)

محمد اسلم لنا، ایڈیٹر ماہنامہ المذاہب شاہدرہ لاہور

تلاوتِ قرآن مجید باعثِ خیر و برکت ہے

مسلمانوں کے ہاں تلاوتِ کلامِ پاک روح افزا ہے، ایمان افروز ہے، موجبِ اجر و ثواب ہے۔ صبح سویرے تلاوت اور بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوازوں کا بلند ہونا مسلمان گھروں کی نشانی ہے۔

لفظ قرآن (سورہ زمر آیت ۲۸) قرأ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا۔ کلامِ پاک کو قرآن یعنی "پڑھی ہوئی کتاب" اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ کتاب بکثرت اور بالخصوص پڑھی جاتی تھی، کثرتِ تلاوت اس کا طرۂ امتیاز بنا تھا اس لیے اللہ کریم نے اس کا نام ہی قرآن رکھا۔ تلاوتِ قرآن مجید کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ خود قرآن حکیم میں ہی اس مقدس کتاب کی تلاوت کے احکام، آداب اور اجر و ثواب کا تفصیل سے مذکور ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن مجید کا حکم ہوتا ہے (سورۂ کہف آیت ۲۷) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں تلاوت قرآن بھی کی جاتی تھی (احزاب ۳۴) قرآن مجید خوب صاف صاف، خوش خوانی سے (مزمل ۴) اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جانا چاہیے (بنی اسرائیل ۱۰۶) تاکہ سامعین کو ایک ایک لفظ خوب سنائی دے، ان کی سمجھ میں آئے اور وہ بھی لطف اٹھا سکیں۔ قرآن کفار کو بھی پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ (عنکبوت ۵۱) مذکور ہے کہ قرآن شریف سن کر جنوں کو ایمان نصیب ہوا (احقاف ۲۹) قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لینی چاہیے۔ (نحل ۹۸)

تلاوتِ کلام پاک موجبِ اجر و ثواب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند نہ پڑے گی تاکہ ان کو ان کے (اعمال کے) صلے (اللہ تعالیٰ) پورے دے اور اپنے فضل سے ان میں (کچھ) بڑھا بھی دے بے شک وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے بڑا قدردان ہے (فاطر ۲۹-۳۰ تفسیر ماجدی)

مزید وارد ہے کہ

جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر اور خاموشی سے سننے سے رحمتِ خداوندی حاصل ہوگی (اعراف ۲۰۴)

اللہ اللہ تلاوت قرآن کریم کس قدر بلند و بالا شان والا اور عالی مرتبت عمل ہے کہ اس سے مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے (انفال ۲) تلاوت کی یہی ایک برکت کافی و وافی ہے۔ تلاوت کے استحسان کا اس سے بڑا ثبوت ممکن ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے کہ

ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (حجر ۹)

باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا معروف انتظام اس طرح فرمایا ہے کہ قرآن کریم بآسانی زبانی یاد (حفظ) ہو جاتا ہے ہر ملک قوم نسل اور دور کے لوگ اس پاک کتاب کو برضا و رغبت حفظ کر لیتے ہیں۔ کس قدر لطف کی بات ہے کہ قرآن حفظ کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد نابینا حضرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ امر انسانی محنت یا ذہانت پر منحصر نہیں ہے۔ تاریخ عالم میں یہ شرف کسی بھی کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔ ایک چھ سالہ بچہ کا غیر زبان عربی کی اس ضخیم کتاب کو حفظ کر لینا کرامت سے کم نہیں۔ قرآن نورِ الٰہی ہے جو سینوں میں اتر جاتا ہے۔ فرمان

زبانی ہے۔

(ترجمہ) بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ۔"

(عنکبوت ۴۹ مولانا محمود حسنؒ)

اور یہ سب برکت ہے تلاوت کی، عربی قرآن کو محض بغیر سوچے سمجھے پڑھنے کی۔

قرآن خوانی سے پڑھنے اور سننے والوں پر سرور و نشاط اور کیف و مستی کا ایک عجیب سماں طاری ہوتا ہے۔ مشہور امریکی مستشرق پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں:

"قرآن کے لفظی معنیٰ ہیں تلاوت، تقریر، خطبہ۔ یہ کتاب ایک طاقت ور زندہ آواز ہے۔ زبانی تلاوت کے لیے مخصوص ہے۔ حظ اٹھانے کے لیے اسے اصل زبان میں ہی سننا چاہیئے۔ ترجمہ میں اس کا قافیہ پن، خوش بیانی، آواز کا زیروبم اور بہاؤ کھو جاتا ہے۔"

(History of the Arabs
By Prof. Philip K. Hitti 1958 P.127)

ہر مسلمان کو تھوڑا بہت قرآن پاک زبانی یاد ہوتا ہے قرآن حفظ ہونے کی بدولت گھروں، مدرسوں اور مسجدوں کے علاوہ سڑکوں، کھیتوں، جنگلوں، کارخانوں، فیکٹریوں، بازاروں، دکانوں، دفتروں، بسوں، ریلوں، فضاؤں، دریاؤں اور سمندروں میں زبانی پڑھا جاتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا رقم طراز ہے:

"عام عبادت، درسگاہوں اور دیگر مواقع پر قرآن کا استعمال مثلاً اکثر عیسائی ملکوں میں بائبل کے مطالعہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسے بجا طور پر دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کہا گیا ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا مطبوعہ ۱۱-۱۹۱۰
جلد ۱۵ صفحہ ۸۹۸ کالم اول)

پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں:

"مذہبی کتابوں میں سب سے کم عمر ہونے کے باوجود قرآن دنیا بھر میں لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے کیونکہ عبادت میں استعمال کے علاوہ یہ وہ مقرر درسی کتاب ہے جس سے ہر مسلمان عملی طور پر عربی پڑھنا سیکھتا ہے۔" (ایضاً صفحہ ۱۲۹)

جنوبی افریقہ کے ایک مسیحی مشنری گرہارڈ نہلز نے بائبل اور قرآن کی زبانوں کے ضمن میں لکھا:

"بخلاف عبرانی، آرامی اور یونانی، عربی کے زمانہ حال تک بولے جانے میں قرآن کا بڑا ہاتھ ہے۔ ۱۵۰۰ برس پیشتر قوم یہود کے منتشر ہو جانے پر عبرانی زندہ زبان ہونے کی حیثیت سے ختم ہو کے رہ گئی۔ ان دنوں آرامی کہیں بھی نہیں بولی جاتی ہے۔"

(Christians Answer Muslims
By Gerhard Nehls 1980, P.16)

(۲)

قرآن مجید کی یہ عظمت اور لاثانی مرتبہ دشمنانِ اسلام کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ وہ ہمیشہ تلاوت کلام کے خلاف زہر اگلتے اور مسلمانوں کو اسے پڑھنے اور حفظ کرنے سے روکنے کی نامسعود مساعی میں مصروف رہتے ہیں۔ اس ضمن میں عالم عیسائیت کا مشہور ترین مناظر پادری فانڈر رقم طراز ہے:

"محض یہی کافی نہیں کہ ہم اس کی طول طویل عبارت کو حفظ کریں اور ان کا مطلب بالکل نہ سمجھیں۔ ایسا کرنا طوطوں کا کام ہے انسان کی شان کے شایاں نہیں۔ بہت سے مسلمان قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے پر قانع ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کے اور ان کے مردوں کے لیے بہت سا ثواب جمع ہو سکتا ہے۔ وہ قرآن کو عربی زبان میں پڑھتے ہیں اگرچہ ان میں کثیر التعداد لوگ ایسے بھی ہیں جو اس قریشی بولی کو بالکل نہیں سمجھتے۔ جو کتاب خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ کرے اس کو اس طرح سے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ ایسا کرنا ویسا ہی نامناسب ہے جیسے کسی کافر کا اپنی مشعل کو کسی غار میں چھپا دینا اور

راہ دیکھنے میں اس سے مدد نہ لینا۔"
(میزان الحق مصنف پادری سی جی فانڈر ڈی ڈی صفحات ۳۵۰-۳۵۱)

ہم عرض کریں گے کہ اگر "طوطا" بننا ممکن ہوتا تو پادری صاحب اور ان کے جبوا ضرور ٹیں ٹیں کرتے پھرتے اور بائبل کی طویل طویل عبارات کو حفظ کرنے میں مسلمانوں سے ہرگز ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ دراصل ہاتھ نہ پہنچے تھو کوڑی والا معاملہ ہے

؎ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اگر مسلمان قرآن کو عربی زبان میں پڑھتے ہیں اور اس قریشی بولی کو بالکل نہیں سمجھتے تو بھی اس سے ان کی عاقبت سنورتی ہے۔ عبادات ہو جاتی ہیں۔

"مسیح میں خزانے بھرنے والے پادری صاحب کیا جانیں کہ "قرآن کی قریشی بولی" بیس کروڑ عربوں کی زبان ہے۔ عرب دنیا میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ چودہ سو برس بعد بھی برابر زندہ و پائندہ ہے

کثیر التعداد مسلمانوں کو "قریشی بولی" نہ سمجھنے کا طعنہ دینے والے پادری صاحب کیا یہ بتا سکیں گے کہ (عوام کا تو ذکر ہی کیا) عیسائی علماء بائبل کو اس کی اصل زبانوں میں ہی پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں؟ جواب یقیناً نفی میں ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ کوئی بڑے سے بڑا محقق بھی ان مردہ زبانوں کو صحیح طور پر سمجھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ہر بائبل کے مترجمین اپنی اپنی ڈفلی پر اپنا اپنا راگ الاپتے ہیں۔ مسلمانوں کی "مشعل" گھر گھر میں پڑی ہے جبکہ پادری لوگوں کی "مشعل" غاروں کے اندر مرتبانوں میں محفوظ ہے یا قبرستانوں میں مُردوں کے ساتھ مدفون ہے یا یونیورسٹیوں اور عجائب گھروں کی زینت ہے۔

(۳)

اخبار تو اخبار سہی "اہل الذکر والقرآن" ہونے کے دعویدار بھی دشمنانِ اسلام کے پیرو بہ پیرو کھڑے نظر آتے ہیں۔ ماہنامہ "بلاغ القرآن" لاہور بابت اکتوبر ۸۹ء، تلاوت کلام پاک کی مخالفت میں رقم طراز ہے:

"قرآن مجید میں اشارہ تک نہیں تھا کہ قرآن مجید کو محض پڑھ لینے سے "ثواب" ملتا ہے۔... یاد رکھیے کہ قرآن مجید کے محض پڑھ لینے سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔" (ص ۳) تشابهت قلوبهم (بقرہ ۱۱۸) کے مصداق ان کے دل بے بصیرتی اور ناحق شناسی میں کافروں سے ملتے ہیں اور ان کے نظریات بھی دشمنوں والے ہیں۔

یہ لوگ اسلام کے کٹر مخالفین کی تقلید میں تلاوت کلام پاک کی مخالفت پر کمربستہ ہیں: "محض پڑھنے کے حق میں انہیں قرآن میں اشارہ تک بھی نہیں ملتا ہے۔" قرآن سمجھنا تو بڑی بات ٹھہری۔ ہماری وضاحت کی روشنی میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ پاک کتاب کبھی کھول کر دیکھنی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اسے سمجھنا ایسوں کا نصیبہ کہاں؟ اگر "اہل الذکر والقرآن" یہ ہیں تو اہل کفر والحاد کون ہوتے ہیں؟ خدا معلوم یہ لوگ کدھر کے "اہل الذکر والقرآن" ہیں؟ اور ان کے اور غیر مسلموں کے درمیان فرق اور فاصلہ کیا ہے؟ کیا صرف "اہل الذکر والقرآن" کے لیبل کا؟ العیاذ باللہ۔

مذکورہ گزارشات کا مطلب تلاوت کلام پاک کی اہمیت و ثواب جتانا ہے۔ ہم یہ بالکل نہیں کہہ رہے کہ قرآن سمجھا نہ جائے یا اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اگر دنیاوی علوم و فنون سیکھنے کے لیے بھاری رقوم خرچ کرکے دس دس بیس بیس برس تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے، گھر بار سے ہزاروں میل دُور درسگاہوں میں مغز کھپائی کرسکتے ہیں، فیکٹریوں میں دھکے کھا سکتے ہیں تو قرآن مجید کا ترجمہ اور معانی سمجھنے کے لیے بھی مطلوبہ وقت ضرور نکالا جاسکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

بقیہ: دینی تعلیم اور مدارس کی اہمیت

یہ ایک حصار ہے۔ اسی سے ہے کہ آپ قرآن شریف پڑھیے، مسجد بنائیے، نماز پڑھیے۔ خدانخواستہ یہ ٹوٹ گئی تو خدا ہمیں اس دن کے لیے زندہ نہ رکھے، جب مسئلہ چار دیواری کے اندر آجائے اور مدارس و مساجد سب خطرے میں پڑ جائیں۔

کیا بائبل میں تحریف پر قرآن کریم خاموش ہے؟

ایک عیسائی پادری کے دعوی کا تحقیقی جائزہ

از حافظ محمد عمار خان ناصر

دنیا کا ہر مذہب کوئی نہ کوئی مقدس کتاب رکھتا ہے۔ جیسا کہ اسلام میں قرآن کریم مقدس آسمانی کتاب ہے عیسائیوں کی مقدس کتاب کا نام بائبل ہے یہ بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک وہ جس کو "عہد نامہ عتیق" کہا جاتا ہے جس میں تورات، زبور اور انبیاء کبار و صغار کے الہامی و تاریخی صحائف ہیں۔ اس کے جس متن پر یہود اور نصاریٰ میں سے فرقہ پروٹسٹنٹ کا اتفاق ہے یہود اسے ۲۴ اور فرقہ پروٹسٹنٹ والے ۳۹ صحائف میں تقسیم کرتے ہیں۔ جبکہ یہی عہد نامہ عتیق کیتھولک چرچ کی بائبل میں ، کتابوں کے اضافے کے ساتھ ۴۶ کتابوں یعنی صحائف کی شکل میں موجود ہے۔ دوسرا وہ عہد نامہ جدید کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں چار اناجیل (منسوب بہ متی، مرقس، لوقا و یوحنا) رسولوں (حواریوں) کے اعمال، پولس مقدس کے ۱۴ خطوط، دیگر حواریوں کے خطوط اور یوحنا عارف کا مکاشفہ ہیں۔ اس حصہ میں کل ۲۷ کتابیں ہیں۔ یاد رہے کہ یہود "عہد نامہ جدید" کو الہامی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کے منکر ہیں۔ اب بائبل میں سے تورات و انجیل پر ہمارا یعنی مسلمانوں کا بطریق قرآن یہ عقیدہ اور یقین ہے کہ یہ دونوں کتابیں تبدیل ہو چکی ہیں، بگڑ چکی ہیں کیونکہ ان میں اس قدر تحریف ہوئی کہ یہ اپنی اصل صورت میں باقی نہیں رہیں جبکہ مسیحی علماء اس قرآنی نص کا شد و مد سے انکار کرتے ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ تحریف کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل تحریف لفظی دوم تحریف معنوی

تحریف لفظی کہتے ہیں الفاظ کو بگاڑ ڈالنا، کلمات کو بدل ڈالنا۔ اس کے تین طریقے ہیں

۱۔ تبدیل ۲۔ زیادۃ ۳۔ نقصان

اور تحریف لفظی تینوں طریقوں سے ان کتابوں میں موجود ہے جیسا کہ حضرت مولانا رحمت اللہ العثمانی الکیرانوی المکی رحؒ "اظہار الحق" میں اس کی صراحت ان الفاظ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ

ان التحریف اللفظی بجمیع اقسامہ اعنی تبدیل الالفاظ وزیادتہا و نقصانہا ثابت فی الکتب المذکورۃ (اظہار الحق ۱ ۲۰۹)

تحریف معنوی کہتے ہیں (اصل) الفاظ کی غلط تفسیر و تعبیر اور تاویل کرنا جیسا کہ آج کل کے کچھ گمراہ فرقے قرآن کریم میں تحریف معنوی کرتے ہیں۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ تورات و انجیل میں تحریف (لفظی و معنوی) کے بارے میں علماء اسلام کے ہاں تین مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اوّل وہی ہے جو مولانا رحمت اللہؒ کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اس پر اصحاب ظواہر میں سے علامہ ابن حزمؒ نے بہت زور دیا ہے اور "الفصل" میں یہود و نصاریٰ کے عقائد، کتب اور ان کی بطلات کے بیان میں طویل بحث کی ہے۔ یہ مذہب جمہور علماء کا ہے۔

دوم یہ کہ ان کتب میں اگرچہ تحریف ہوئی لیکن بہت کم۔ (تحریف سے بہرحال انکار نہیں) شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ ابن تیمیہؒ کا میلان اسی جانب ہے۔

سوم یہ کہ ان کتب میں تحریف قطعاً واقع نہیں ہوئی الا یہ کہ تحریف معنوی ثابت ہے لیکن اس مذہب والوں نے یہ کہہ کر قرآن میں موجود نصوص کی سخت مخالفت کی ہے اور یہ مذہب "شذوذ" کے زمرہ میں شمار ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

"یہ کلمات کو ان کی جگہوں کے مقرر ہونے کے بعد بگاڑ ڈالتے ہیں" (المائدہ)

اور "یہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے" (البقرہ)

اور یہ مذہب اس لیے بھی ناقابلِ اعتبار ہے کہ قرآن میں ہر مقام پر لفظ تحریف کو "تاویلِ فاسد" کہنے سے قرآن اور ان کتابوں میں حفاظت کے سلسلے میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا جبکہ سورۃ الحجر میں انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون میں مذکور لفظ "الذکر" کو مفسرین نے بالاتفاق "قرآن" کا لقب کہا ہے۔ تحریف لفظی کے سلسلے میں علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں:

"والجمھور علی ان تحریفھما بتبدیل کلام من تلقاءھم (روح المعانی ۱/۲۹۸)

ترجمہ: "جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان کتابوں کی تحریف یہود و نصاریٰ کے اپنی طرف سے ڈالے جانے والے کلام کے ذریعے ہوئی۔"

مدارک التنزیل میں ہے،

یزیلونہ ویمیلونہ عن مواضعہ التی وضعہ اللہ فیھا (۱/۲۹۶)

ترجمہ: کلمات کو زائل کر دیتے تھے اور ہٹا دیتے تھے ان مقامات سے جہاں پر اللہ نے ان کو رکھا تھا۔

خازن میں ہے

وفی قولہ من بعد مواضعہ اشارۃ الی اخراجہ من الکتاب بالکلیۃ (۱/۲۹۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے قول "من بعد مواضعہ" میں اس جانب اشارہ ہے کہ وہ کلمات کو بالکل کتاب سے ہی نکال دیتے تھے۔

قارئین کرام! یہ تو قرآنی آیات اور ان کی تفسیر ہے۔ اس قدر صراحت کے باوجود ایک عیسائی پادری کے۔ ایل۔ ناصر قرآن کریم کی ان واضح آیات سے چشم پوشی کرتے ہوئے نہایت ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ:

"قرآن شریف میں تورات و انجیل میں تحریف کا الزام کہیں نہیں ہے۔"

(تصدیق الکتاب ص ۳۸ از پادری کے۔ ایل۔ ناصر)

اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مسیحی علماء کے اقوال سے اس ناقابلِ تردید حقیقت کا ثبوت پیش کیا جائے۔

(۱) آرچ ڈیکن پادری برکت اللہ نے لکھا ہے:

"حسنِ اتفاق سے ان معلموں کے ہاتھوں میں ایک رسالہ بھی تھا جو حضرت کلمۃ اللہ کی تعلیم اور آپ کے کلمات طیبات پر مشتمل تھا۔"

(قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ج اول ص ۳۷)

اور ص ۹۸ پر لکھا ہے:

"اور یہ رسالہ آہستہ آہستہ نقل ہونا بند ہوگیا اور ایک زمانہ آیا جب یہ رسالہ ناپید ہوگیا۔"

(۲) پادری ایچ۔ یو۔ سٹیکس کا کہنا ہے کہ،

"بعض مصنفین نے خیال کیا ہے سناپٹک اناجیل کے مصنفین کے سامنے ایک اور انجیل تھی جو ہماری موجودہ اناجیل سے بہت پہلے کی تھی اور اب مفقود ہے۔"

(تفسیر متی۔ مترجمہ پادری طالب الدین بی اے ص ۱)

(۳) مسیحی مجلہ سہ ماہی "ہما"، لکھنؤ (بابت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۷) رقمطراز ہے:

"اب جبکہ نئے عہدنامہ کی کتابوں کو تصنیف ہوئے اٹھارہ صدیاں گذر چکیں ہیں کیا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتابیں آج اپنی اصل صورت میں موجود ہیں؟ مسیحی علماء متفق الرائے ہیں کہ ان کتابوں کے اصل نسخے معدوم ہوگئے ہیں" (ص ۵)

(۴) مفسر گریز اسٹم اپنی تفسیر بوم لی" میں لکھتا ہے:
"پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہو گئیں اس لیے کہ یہودیوں نے غفلت بلکہ بے دینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا ڈالا۔" (ج ۹)

(۵) مشہورِ زمانہ مؤرخ یوسیو دیبان لکھتا ہے:
"تورات میں بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ نئی کتابیں مثل کتاب استثناء مرتب کی گئیں اور کہا یہ گیا کہ یہ کتابیں موسیٰ کی اصل شریعت کی حامل ہیں حالانکہ درحقیقت ان کی روح پرانی کتابوں سے بالکل مختلف تھی۔ (لائف آف جوسس ص۲)

اور "حیاتِ مسیح" میں یہی مصنف لکھتا ہے:
"ابتدائی ڈیڑھ سو سال میں اناجیل کو کوئی مستند حیثیت حاصل نہ تھی۔ ان میں اضافے کرنے یا مختلف انداز سے ترتیب دینے یا ایک کی تکمیل دوسرے سے کرنے میں کوئی باک اور تامل نہ (کیا) تھا۔" (ص۱۲)

(۶) مشہور متعصب اور عنادی مسیحی عالم پادری فانڈر لکھتا ہے کہ:
"ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف و الفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کی بابت مقدم اور مؤخر اور الحاق کا شبہ ہے۔
(اختتام دینی مباحثہ ص۵۲ طبع ۱۸۵۵ء)

(۷) مشہور عیسائی مؤرخ موشیم (MOSHEIM) لکھتا ہے کہ
"بہت سے فریب کاروں نے خود کتابیں لکھیں اور انہیں مقدس حواریوں کی طرف منسوب کر دیا۔" (پہلی صدی" حصہ دوم باب ۲/۱۵)

(۸) مفسر ہارسلے (HORSLEY) اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ:
"مقدس متن میں تحریف کا وقوع شک و شبہ سے بالاتر ہے۔" (جلد ۳ ص۲۸۲)

(۹) مفسر بورن تفسیر میں لکھتا ہے
"الحاق کے سلسلے میں یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ تورات میں اس قسم کے فقرے موجود ہیں۔" (ج اول ص۶۱)

(۱۰) یہی مفسر لکھتا ہے:
"ناقلوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ عہدِ جدید کی ایک کتاب کے فقروں کو دوسری کتاب میں داخل کر دیا۔ اسی طرح حواشی کی عبارتوں کو متن میں شامل کر دیا۔" (جلد اول ص۲۶۹)

ہم اقوال کے سلسلے میں صرف ان دس حوالجات پر اکتفا کرتے ہیں جو ہر مسلمان کے اس قرآنی عقیدہ کو پختہ کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے کہ "تورات و انجیل کو حفاظت جیسی فضیلت حاصل نہیں کیونکہ یہ اقوال قرآن یا کسی مسلم مفسر و عالم کے نہیں بلکہ خود مسیحی فضلاء و علماء کے ہیں

؎ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

لیکن ممکن ہے کہ آج کے زعم خویش مسیحی متکلمین و مناظرین ان محققین پر اپنی علمی و تحقیقی افضلیت و فوقیت کی خوش فہمی میں مبتلا ہوں اور تورات و انجیل کی تحریف سے انکار کریں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تحریف کی چند واضح مثالیں بھی پیش کر دی جائیں تاکہ ان خود ساختہ محققین کے دعویٰ کی حقیقت بے نقاب ہو سکے۔

مثالِ اول

وادیٔ مکہ کا ایک معروف نام فاران بھی ہے اور جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر اسی فاران سے دس ہزار صحابہ کرامؓ کی معیت میں وارد ہوئے۔ چنانچہ بائبل میں اس واقعہ کو بطور پیشگوئی ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا تھا کہ:
"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔ (تورات کتاب استثناء

باب ۳۳ آیت ۱ تا ۳)

اس میں سینا کا لفظ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تبلاتا ہے اور سعیر عیسیٰ علیہ السلام کی جبکہ فاران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ظاہر کرتا ہے اور دس ہزار کا لفظ صحابہ کرام کی تعداد بتلاتا ہے اور یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو ثابت کرتا ہے کہ اس میں وہی تعداد بتلائی جا رہی ہے جو صحابہ کرامؓ کی تھی اس لیے مسیحی علماء نے اپنے معمول حربہ کے موافق اس کو اڑا دیا۔ موجودہ اردو ترجمہ یوں ہے:

"وہ لاکھوں قدسیوں کے ساتھ آیا۔"

اور عربی مترجم نے نہایت ہوشیاری سے لاکھوں کا لفظ بھی اڑا دیا اور "رَبَوَاتُ القُدسِ" کر دیا یعنی قدس کے ٹیلے" باوجودیکہ یہ صدہا سال سے اس فعل شنیع میں مصروف ہیں لیکن حیرت ہے کہ ابھی تک یہ عقل اور سمجھ سے پیدل ہیں۔ انگریزی ترجمہ کی طرف کسی نے خیال ہی نہیں کیا جو آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نوید سنا رہا ہے:

AND HE CAME WITH TEN THOUSAND OF SAINT (KING JAMES VERSION)

مثال دوم:

بائیبل میں کثیر تحریف کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مقامات و واقعات کی طرف اشارہ اس میں پایا جاتا ہے۔ سورہ آل عمران میں ایک لفظ بَکَّۃَ ہے جو مکہ مکرمہ کے لیے استعمال ہوا ہے اور سورۂ ابراہیم میں مکہ مکرمہ کو "وادٍ غیر ذی زرع" یعنی بنجر زمین کہا گیا ہے۔ یہی لفظ یعنی بکۃ زبور ۸۴ میں یوں مذکور تھا:

"وہ وادی بکہ سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں" (آیت ۶)

لیکن مسیحیوں کے تعصب و عناد کو دیکھئے کہ مکہ مکرمہ کا نام تک اپنی کتاب میں گوارا نہیں کیا۔ فلہٰذا موجودہ اردو ترجمہ میں یوں ہے:

"وہ وادی بُکا سے گزر کر ...."

یعنی لفظ ب پر پیش ڈال دیا جس کا معنی "رونا" ہے عربی ترجمہ میں صراحت سے "عابرین فی وادی البکاء" مذکور ہے تو اس کا معنی "رونے کی وادی" ہو گیا ہے جبکہ کیتھولک بائیبل میں بکہ کا ترجمہ "خشک وادی" کیا گیا ہے جو "غیر ذی زرع" کے لیے مناسب ہے۔ پروٹسٹنٹ محرفین کی اس حرکت کا مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ان الفاظ میں محاسبہ کیا ہے

کہ تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا فرقہ پروٹسٹنٹ کے لیے ایک امر طبعی بن گیا ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے جب بھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدل پایا جاتا ہے۔ یا تو بعض مضامین بدل دیے جاتے ہیں یا گھٹا بڑھا دیے جاتے ہیں یا کسی مبحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے۔"

(اظہار الحق ۱/۴۷)

یہ بھی واضح رہے کہ یہ شرارت صرف اردو اور عربی ترجموں کی ہے۔ انگریزی (کنگ جیمز) بائبل میں بھی بکہ کا لفظ ہے (VALLEY OF BACA)

مثال سوم

انجیل متی میں یوں تھا:

"اور انہوں نے اسے صلیب پر چڑھایا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے تاکہ وہ پورا ہو جائے جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ انہوں نے میرے کپڑے آپس میں بانٹ لیے اور میرے لباس پر قرعہ ڈالا۔ (باب ۲۷ آیت ۳۵)

جبکہ موجودہ اردو ترجمہ صرف اتنا ہے:

"اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے۔"

ملاحظہ کیجئے کہاں اتنی لمبی توضیح اور کہاں یہ مختصر سی عبارت اور پھر "جو نبی کی معرفت الخ" والی اہم عبارت حذف کر دی گئی ہے۔ اور سنئے موجودہ عربی ترجمہ، اردو ترجمہ کی تائید سے ملتا ہے:

ولما صلبوہ "اقتسموا ثيابه مقترعين عليها.

لکن یتم ما قیل بالنبی اقتسموا ثیابی
وعلی لباسی القوا قرعة

"ترجمہ: اور جب انہوں نے اسے صلیب دی تو اس کے کپڑے تقسیم کر لیے درانحالیکہ وہ ان کپڑوں پر قرعہ ڈالنے والے تھے تاکہ پورا ہو جو کہا گیا نبی کے ذریعے انہوں نے تقسیم کر لیے میرے کپڑے اور میرے لباس پر انہوں نے قرعہ ڈالا" تو اسغا

مثالِ چہارم: یوحنا کے پہلے خط ۵ باب ۷ میں یوں تھا:

"اس لیے کہ آسمان میں گواہی دینے والے تین ہیں باپ، کلمہ اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں اور زمین میں گواہی دینے والے بھی تین ہیں، روح پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں"

جبکہ آج کے ترجموں میں یہی عبارت ملتی ہے:

"اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیونکہ روح سچائی ہے اور گواہی دینے والے تین ہیں، روح پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں۔

عجیب یہ ہے کہ عربی ترجمہ میں بھی وہی ہے جو موجودہ ترجمہ سے حذف کر دیا گیا ہے

"فان الذین یشهدون فی السماء هم ثلثة الأب والکلمة والروح القدس وهؤلاء الثلثة هم واحد۔ والذین یشهدون فی الارض هم ثلثة الروح والماء والدم والثلثة هم فی الواحد

ناظرین تحریف کی چند مثالیں آپ نے ملاحظہ کیں، اب اس سلسلے میں عیسائی احباب کا ردِ عمل بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مسیحی مجلہ "صبا" لکھنؤ (بابت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۶ء) بڑی ڈھٹائی سے اعتراف کرتا ہے کہ

"انجیل مقدس کے مختلف نسخوں اور ترجموں میں ردوبدل کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے" (ص۳)

جب مقدس صحیفوں کا یہ حال ہے تو ان کے الہام کی بابت بھی پادری دانش صاحب کی یہ تحریر بھی ملاحظہ ہو:

"اسقف بٹلر صاحب نے کہا کہ انگلستان میں ایک بھی فاضل ایسا نہیں ہے جو پاک نوشتوں کے الہام کا قائل ہو" (قربت الٰہی ص۵۹ مطبوعہ ۱۸۶۸ء)

اور تحریف کی بابت خود یرمیاہ نبی نے الزام لگایا کہ

"تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے" (یرمیاہ ۲۲ : ۳۶)

اور پولس رسول کہتا ہے کہ:

"انہوں نے خدا کی سچائی کو بدل کر جھوٹ بنا ڈالا" (رومیوں ۱ : ۲۵)

محترم قارئین: ہم نے اس بحث میں پادری کے۔ ایل۔ ناصر اور اس کے ہمنواؤں پر "اتمام حجت" کر دیا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ واضح کر دیا ہے کہ بائبل جس کی نسبت یہ بڑی عجیب عجیب باتیں لکھتے ہیں اور اس کو غیر محرف اور UNCHANGED کہتے تھکتے نہیں وہ نہ صرف قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق تحریف شدہ ہے بلکہ خود ان کے بڑوں کے بقول محرف ہے اور تورات وانجیل کے قدیم نسخے بلکہ ان کی اصل زبانیں تک گم ہو چکی ہیں

مرشد العلماء، پیر طریقت حضرت

مولانا غلام حبیب نقشبندی قدس سرہ العزیز

کی سوانح حیات کی ترتیب و تدوین کا کام جاری ہے اور ان کی دینی، روحانی و ملی خدمات پر مارچ ۱۹۹۰ء کے دوران

ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور

ایک خصوصی نمبر کی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے۔

حضرت شیخؒ کے متعلقین اور عقیدت مندوں سے گزارش ہے کہ حضرت شیخؒ سے متعلق اپنی یادداشتیں، خصوصی واقعات، ارشادات و فرمودات اور حضرت شیخؒ کے خطوط و مکاتیب کی فوٹو کاپیاں مندرجہ ذیل پتہ پر ۱۵ جنوری ۹۰ء تک ارسال فرما دیں:

مدیر ہفت روزہ ترجمان اسلام، رنگ محل، لاہور فون ۵۲۳۵۸

قاضی محمد اسرائیل، مانسہرہ

علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

انبیاء علیہم السلام کو اللہ پاک نے لوگوں کی ہدایت کے لیے دنیا میں مبعوث کیا۔ جب ایک نبی علیہ السلام کا انتقال ہوا تو دوسرا نبی اس کے بعد مبعوث کیا گیا۔ یہاں تک کہ سلسلہ رُسل کی آخری کڑی آمنہ کے لال عبداللہ کے دُرِ یتیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے پوری کائنات کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجا اور یہ اعلان فرمایا کہ آپؐ کے بعد نبوت اور رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ اب لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے پیغمبروں والا کام اس امت کے علماء کے حوالے کر دیا گیا ہے اور خالق کائنات نے اعلان فرمایا کہ میرے بندوں میں سب سے زیادہ مجھ سے ڈرنے والے علماء ہیں۔ علماء کرام کے ادب احترام کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ علماءِ کرام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند ہے۔ میں ایک جھلک علماءِ کرام کے مقام اور مرتبے کی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ خالق ارض وسما رب العالمین نے قرآن پاک کے اندر اعلان فرمایا۔ ترجمہ: کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟"

دوسری جگہ اعلان فرمایا۔ ترجمہ: "اللہ پاک، جو لوگ ایمان لائے ان کے درجے اور مرتبے بلند کرے گا اور علم والے لوگوں کے بھی۔"

اس آیت میں اللہ پاک نے علماء کرام کی عظمت اور رفعت کا ذکر کیا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص میری اُمت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے (ترغیب)

ایک اور مقام پر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (ذلیل) نہیں سمجھ سکتا۔ ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا۔ دوسرا اہل علم تیسرا منصف بادشاہ۔ (ترغیب)

ہماری آنکھوں کے نُور دلوں کے سُرور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کا مقام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "یا تو عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (اہل علم اور علماء) سے محبت کرنے والا۔ پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔" (مقاصد حسنہ)

حضرت علامہ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مُراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔ اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یا تو عالم بن یا طالب علم اور اگر دونوں نہ ہو سکے تو علماء سے محبت رکھنا ان سے بُغض نہ رکھنا۔ (مجمع)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن کریم کے حاملین (علماء وحفاظ) قیامت کے دن جنت والوں کے سردار اور چوہدری ہوں گے۔ (طبرانی)

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی جو بہت بڑے بزرگ اور صوفی گزرے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کا مسلمانوں سے عہد لیا ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ میرے علماء کا احترام کرنا، علماء

شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کرام کا اکرام اور احترام کریں اور ان کی تعظیم کریں اور ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے احسانات کا بدلہ دے سکیں چاہے وہ سب کچھ دے دیں جو ہماری ملک میں ہے اور ہم اپنی مدت العمر ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اس معاہدہ سے بہت سے طالب علم اور مریدین کوتاہی کرنے لگے ہیں حتی کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے استاذ کے حقوق واجبہ ادا کرتا ہو۔ یہ دین کے بارے میں ایک بڑی مصیبت ہے جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس فعل کے مرتکب شخص کے علم کے ساتھ لاپرواہی کا پتہ چلتا ہے جس نے اس کا علم کرایا ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں۔ ہم لوگوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء اور صالحین کی تعظیم کریں چاہے وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کریں اور ہم لوگ ان کے حقوق واجبہ کو پورا کریں اور ان کے ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ جو شخص ان کے حقوق واجبہ اکرام اور تعظیم میں کوتاہی کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے اس لیے کہ علماء رسول اللہ کے جانشین ہیں اور ان کی شریعت کے حامل اور اس کے خادم ہیں

پس جو شخص ان کی اہانت کرتا ہے تو یہ سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور یہ کفر ہے اور تم غور کرو کہ بادشاہ اگر کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اس کی اہانت کرے تو بادشاہ ایلچی کی بات کس طور سے سمجھے گا اور اپنی لعنت کرے گا اس اہانت کرنے والے پر بھی ملامت کرے گا اور اس کو اپنے دربار سے ہٹا دے گا بخلاف اس شخص کے جو ایلچی کی تعظیم اور توقیر کرتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے اور بادشاہ بھی اس کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ علماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں۔ ان کی عزت کرنا فرض ہے۔ جو ان کی عزت کرے گا وہ انشاء اللہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جگہ پائے گا۔ جب علماء کرام آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں تو پھر ہر موقع پر اور ہر موڑ پر علماء کو امت کی راہنمائی کرنی ہوگی اور امت کا فرض بنتا ہے کہ وہ علماء کا ساتھ دیں اور وقت کی حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ علماء حق سے راہنمائی حاصل کرے اور علماء کی عزت کرے اور ان کا خیال رکھے کہ کسی صورت میں علماء کا وقار مجروح نہ کیا جائے۔ علماء تو زمین کے ستارے ہیں۔ ان سے روشنی لی جائے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسی کہ آسمان
میں ستارے جن کے ذریعے جنگل بیابانوں
اور سمندروں میں راستہ پہچانا جاتا ہے اگر
ستارے بے نور ہو جائیں تو یہ بات
اقرب ہے کہ رہبر (اور) قوم راستہ سے
بھٹک جائیں۔ (ترغیب)

علماء کو چاہیے کہ اپنی روشنی سے پوری دنیا کو منور کریں۔ علم و تقویٰ سے پوری امت کو مستفید کریں۔ ایک مقام پر آپ نے فرمایا کہ نبوت کے درجہ کے بہت قریب ایک جماعت علماء کی ہے دوسرے مجاہدین کی۔ اس لیے کہ علماء اس چیز کا راستہ بتاتے ہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (احیاء العلوم)

علماء کرام کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں۔ علماء کرام پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں اشاعت اسلام کے لیے کوشش کریں۔ علماء کرام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے حق کی آواز بلند کرتے رہیں۔ علماء جماعت انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ انبیاء کرام نے قوم کی ہر موقع اور ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی جس کی وجہ سے انبیاء کو ساحر مجنون اور دیوانہ کہا گیا مگر انبیاء علیہم السلام نے اپنے مشن کو نہیں چھوڑا۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ اس پاک جماعت انبیاء کے جانشین ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے (باقی صفحہ [illegible])

از قلم غازی عزیر ۔ الجبیل، سعودی عرب

کیا واقعی سندھ کو نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے؟

ممتاز دینی سکالر و محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تحقیق کا ایک منصفانہ جائزہ

ماہنامہ "میثاق" لاہور شمارہ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۹ء بمطابق صفر المظفر ۱۴۱۰ھ پیش نظر ہے۔ اس شمارہ میں "کیا سندھ کو نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے؟" کے زیر عنوان محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (جو کہ پیرس میں مقیم ہیں) کی سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی، سندھ یونیورسٹی جام شورو (پاکستان) میں کی گئی چند سال پرانی ایک تقریر کے ابتدائی حصہ کو جو اس عنوان سے متعلق تھا ٹیپ کی مدد سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی تقریر کی ابتداء میں سندھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اہل سندھ سے آپ ﷺ کی ملاقات کے امکان پر گفتگو فرمائی تھی بلکہ ماہنامہ میثاق کے ادارتی نوٹ کے مطابق "اس ضمن میں اپنی تحقیق کا حاصل سامعین کے سامنے رکھا تھا"۔ محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے اسی حاصل کے پیش نظر اور ان کے ہی حوالے سے محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (مؤسس و امیر تنظیم اسلامی لاہور) نے اپنی کتاب "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" میں برصغیر میں اسلام کی آمد اور اشاعت کے ضمن میں سرزمین سندھ کی خصوصی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ "سرزمین سندھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے"۔

زیر نظر مضمون میں راقم نے محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے پیش کردہ تمام دلائل کا بغور جائزہ لیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس کی حیثیت محض ظن و تخمین سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری محسوس ہوا کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس بات کی حقیقت سے باخبر کروں۔ (واللہ المستعان)

ذیل میں تمام تمہیدی گفتگو پر کلام کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اصل موضوع اور ان نکات پر بحث پیش کی جاتی ہے جنہیں فاضل ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں پیش کیا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

"... حضور ﷺ کی ملاقات سندھیوں سے کب اور کیسے ہوئی؟ اولاً میں مشرقی عرب میں تجارت کی بات کرتا ہوں اس لیے کہ وہیں سے آپ ﷺ سندھیوں سے ملاقات کر سکتے ہیں یا

---

۱ ماہنامہ میثاق لاہور ج ۳۸ عدد شمارہ ۱۰ صـ ۳۵ تا ۴۸

۲ استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ مصنفہ ڈاکٹر اسرار احمد صـ ۲۳

سند جانتے ہیں ۔ مسند احمدؒ بن حنبل حدیث کی مشہور کتاب ہے اور ابن حنبلؒ وہ شخص ہیں جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں ، انہوں نے اپنی مسند میں دو صفحات کی ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ عبدالقیس کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آئے —

رسول اللہ نے ان سے چیزیں دریافت کیں ۔ فلاں شہر کیا ابھی موجود ہے ؟ فلاں سردار یا فلاں شخص کیا ابھی زندہ ہے ؟ ان سوالات پر وہ لوگ حیرت زدہ ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ ! آپ ہمارے ملک اور ہمارے آدمیوں سے ہم سے بھی زیادہ واقف معلوم ہوتے ہیں ۔ اس پر مسند احمد بن حنبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جواب نقل ہوا ہے وہ یہ ہے : میں وہاں گیا ہوں ۔ بہت دن تک اس سرزمین کو میرے پاؤں روندتے رہے ہیں ، قلعہ مشغل کی چابیاں میں نے حاصل کیں اور چشمۂ زہرا ، پر بھی کھڑا ہوا[۱]

ان سطور کے متعلق پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ "مسند احمد" میں دو صفحات کی ایسی کوئی طویل حدیث موجود نہیں ہے جس میں قبیلہ عبدالقیس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہونے والے سوالات و جوابات کا طول طویل متن مذکور ہو ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے دو مختلف حدیثوں کے متن کو یکجا خلط ملط کر کے پیش کیا ہے ۔ پہلی حدیث بطریق "عبداللہ حدثنی ابی ثنا اسمٰعیل بن ابراہیم قال ثنا عوف حدثنی ابو القموص زید بن علی قال حدثنی احد الوفد الذین وفدوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عبدالقیس قال فذکرہ[۲] ، مروی ہے ۔ مگر "مسند احمد" کی اس حدیث میں محترم ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ یہ الفاظ قطعاً موجود نہیں ہیں : "میں وہاں گیا ہوں ۔ بہت دن تک اس سرزمین کو میرے پاؤں روندتے رہے ہیں ۔" البتہ "مسند احمد" کی ایک دوسری حدیث جو بطریق "عبداللہ حدثنی ابی ثنا یونس بن محمد ثنا یحییٰ بن عبدالرحمٰن العصری قال ثنا شہاب بن عباد انہ سمع بعض وفد عبدالقیس وہو یقول فذکرہ[۳] " مروی ہے ، میں بنو عبدالقیس کے اس حیرت زدہ قول : "بابی وامی یا رسول اللہ لانت اعلم باسماء قرانا منا[۳] " کے جواب میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مذکور ہے :

"انی قد وطئت بلادکم وفسح لی فیہا[۳] "

مگر افسوس کہ اس دوسری حدیث میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا بیان کردہ اگلا جملہ (یعنی : قلعہ مشغل کی چابیاں میں نے حاصل کیں اور چشمۂ زہرا پر بھی کھڑا ہوا ہوں) موجود نہیں ہے ۔ یہ جملہ اوپر بیان کی گئی پہلی حدیث میں اس طرح مذکور ہے :

"فواللہ لقد دخلتہا واخذت اقلیدہا ....
وقفت علی عین الزارۃ[۴] ۔"

واضح رہے کہ جس "قلعہ مشغل" اور "چشمۂ زہراء" کا تذکرہ فاضل ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں کیا ہے وہ ہر دو حدیثوں میں سرے سے مذکور نہیں ہے البتہ اصل حدیث میں "المشقر" اور "عین الزارۃ" کے نام ضرور ملتے ہیں ۔

اب "مسند احمد" کی ان دو حدیثوں کا مرتبہ و مقام بھی ملاحظہ فرمالیں ۔ اول الذکر حدیث کے طریق میں ایک راوی "عوف بن ابی جمیلہ ابو سہل الاعرابی العبدی البصری" ہے جس کو بعض محدثین نے "ثقہ" ضرور بتایا ہے لیکن ائمہ جرح و تعدیل کا ساتھ ہی یہ قول بھی ہے کہ

"وہ قدری اور تشیع کرنے والا تھا ۔"

بندار نے اس راوی کے متعلق تو یہاں تک فرمایا ہے :

"واللہ لقد کان عوف قدریاً رافضیاً شیطاناً ۔"

۱؎ ماہنامہ میثاق ج ۳۸ عدد ۹ ص ۴۲ ۲؎ مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۶ طبع المکتب الاسلامی بیروت

۳؎ ایضاً ۴؎ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۶ طبع المکتب الاسلامی بیروت ۔

تفصیلی ترجمہ کے لیے تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی[1]، سوالات محمد بن عثمان[1]، تاریخ یحییٰ بن معین[1]، علل لابن حنبل[1]، تاریخ الکبیر للبخاری[1]، تاریخ الصغیر للبخاری[1]، سوالات حاکم[1]، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم[1]، میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی[1]، ضعفاء الکبیر للعقیلی[1]، مقدمہ صحیح مسلم[1] اور مشاہیر علماء الامصار[1] وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

زیر مطالعہ سند میں ضعف کی ایک دوسری علت "مجہول" راوی کی موجودگی ہے جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ملتا ہے:

"حدثنی احد الوفد الذین وفدوا علی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عبد القیس"

"مجروح" اور "مجہول" رواۃ کی موجودگی کے باوجود اگر کوئی شخص اس حدیث کو "ضعیف" نہ کہہ کر "صحیح یا ثابت" یا "یقینی اور حتمی" سمجھتا ہے تو ہم اس شخص کی کم عقلی یا حدیث شناسی کے مزاج سے ناآشنا ہی کہیں گے۔

"مسند احمد" کی اول الذکر روایت کی طرح اس کی آخر الذکر حدیث بھی محل نظر ہے۔ اس طریق کے ایک راوی یحییٰ بن عبد الرحمن العصری البصری کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں:

لا یعرف لہ عن شہاب بن عباد[2]

اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

"لم اعرفہ"[3]

---

[1] تقریب التہذیب لابن حجر ج ۲ ص ۸۹، سوالات محمد بن عثمان ص ۶۹، تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۱۴۰، علل لابن حنبل ج ۱ ص ۱۴۳، تاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ / ۱ ص ۵۸، تاریخ الصغیر للبخاری ج ۲ ص ۸۵، سوالات حاکم ترجمہ ۴۴۴، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۳ / ۲ ص ۱۵، میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۳۰۵، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۴۲۹، مقدمہ صحیح مسلم ص ۶، مشاہیر علماء الامصار ترجمہ ۱۵۱

[2] میزان الاعتدال للذہبی ج ۴ ص ۲۹۳

[3] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی ج ۹ ص ۲۶۹

محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ اس راوی کے متعلق ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"العصری کے علاوہ اس طریق کے باقی رجال ثقات ہیں"[1]

پھر اس طریق میں بھی "جہالت" موجود ہے جو ان الفاظ میں مذکور ہے:

"انہ سمع بعض وفد عبد القیس وھو یقول..."

پس ثابت ہوا کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے "مسند احمد" کی جن روایات کو دلیل بلکہ ان کے اپنے الفاظ میں "قطعی ثبوت"[2] کے طور پر پیش کیا تھا وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

اب محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا اگلا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

"مشرقی عرب میں آپ کیوں گئے تھے اس کا ایک دوسری روایت سے ہمیں پتہ چلے گا جو حدیث کی کتابوں میں نہیں بلکہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ابن حبیب ایک بڑا مشہور مؤرخ گذرا ہے جس کی وفات ۲۴۵ ہجری میں ہوئی۔ اس کی کتاب "المحبر" میں "عرب کے میلے" کے نام کا ایک باب موجود ہے۔ ان میلوں کے سلسلے میں جو ہر سال لگا کرتے تھے وہ بیان کرتا ہے کہ عرب کے مشرق میں "دبا" نامی ایک مقام ہے (جو متحدہ عرب امارات میں حدیرہ نامی بندرگاہ کے شمال میں اب بھی موجود ہے)..... "دبا" میں سالانہ میلہ فلاں تاریخ کو ہوتا تھا۔ اس میں فلاں فلاں قسم کا سامان فروخت کے لیے آتا تھا۔ اس میں شرکت کرنے والے لوگ ہندی، سندھی، چینی، رومی، ایرانی، مشرق والے اور مغرب والے ہوتے تھے۔ یہ الفاظ ہیں جو ترجمہ کرکے میں نے آپ کو سنائے اور اس میں سندھ کا ذکر صراحت کے ساتھ آتا ہے..... اس واسطے سے گمان کیا

---

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ج ۲ ص ۴۶۱

[2] ماہنامہ میثاق ج ۳۸ عدد ۹ ص ۲۶ سطر ۱۰

جا سکتا ہے کہ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر اس بڑے میلے میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہوں گے اور وہاں چینیوں سے اور دیگر لوگوں سے بھی ملے ہوں گے۔ وہ مشہور حدیث کہ "علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے چاہے چین ہی جانا پڑے"... غالباً اس کی وجہ یہی ہوگی کہ رسول اللہؐ نے دبا کے بازار میں چینی تاجروں کے پاس ان کا پیش کردہ سامان دیکھا ہوگا جن میں چینی ریشم اور دیگر سامان جو وہ لائے تھے آپ نے دیکھا ہوگا اور آپ متاثر ہوئے ہوں گے کہ اتنی اچھی صنعت ان کے ملک میں ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہوگا کہ "علم سیکھو چاہے چین جیسے دور دراز کے ملک ہی کیوں نہ جانا پڑے"... غالباً حضورؐ نے ان سے پوچھا ہوگا کہ تم کتنی دور سے آئے ہو؟ چینیوں نے کہا ہوگا کہ ہم دو ماہ کی مسافت سے چل کر آئے ہیں ... اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع ملا تھا کہ سندھیوں کو دیکھیں۔ ممکن ہے کہ اور آگے جا کر سندھ میں تجارت کے لیے تشریف لے گئے ہوں۔"[۱]

پہلے ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ بالا تاریخی شہادت کا جائزہ پیش خدمت ہے۔ محمد بن حبیب جو امام ابن قتیبہ الدینوریؒ کے شیوخ میں سے گزرے ہیں، اسواق العرب قبل از اسلام کی بابت اپنی کتاب "المحبر" میں بیان کرتے ہیں:

ثم سوق دبا وهي احدى فرضتي العرب يأتيها تجار السند والهند والصين واهل المشرق والمغرب فيقوم سوقها آخر يوم من رجب[۲]

۱۔ ماہنامہ میثاق ج ۳۵ عدد ۹ ص ۳۶ سطر ۱۔

۲۔ المحبر لابن حبیب ص ۲۶۵-۲۶۶ طبع حیدرآباد

"دبا" کے اسی میلہ کا ذکر محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک کتاب "INTRODUCTION TO ISLAM"[۱] میں ابن الکلبی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہیں ممکن ہے کہ محمد بن حبیب نے کتاب "المحبر" میں دبا کے جس بازار کا تذکرہ کیا ہے وہ ابن الکلبی کی تحقیق سے ہی ماخوذ ہو۔ یہ "ابن الکلبی" کون ہے؟ یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ اگر "ابن الکلبی" سے محترم ڈاکٹر صاحب کی مراد "محمد بن سائب بن بشر ابو النضر الکلبی الکوفی" ہے تو وہ عند المحدثین "کذاب، ساقط، لیس بشئ، متروک الحدیث، ضعیف، کثیر النقص اور ناقابل احتجاج" ہے۔ (تفصیل ترجمہ کے لیے ضعفاء والمتروکین لابن الجوزیؒ، تحقیق الغایہ للزاہدیؒ، نصب الرایہ للزیلعیؒ، سنن الکبریٰ للبیہقیؒ، سنن للدارقطنیؒ، موضوعات لابن الجوزیؒ، تاریخ یحییٰ بن معینؒ، علل لابن حنبلؒ، تاریخ الکبیر للبخاریؒ، تاریخ الصغیر للبخاریؒ، ضعفاء الصغیر للبخاریؒ، معرفۃ والتاریخ للبسویؒ، ضعفاء الکبیر للعقیلیؒ، جرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ، مجروحین لابن حبانؒ، کامل فی الضعفاء لابن عدیؒ، ضعفاء والمتروکین للدارقطنیؒ، ضعفاء والمتروکین للنسائیؒ، میزان الاعتدال للذہبیؒ، تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ اور تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں) مگر قرائن بتاتے

۱۔ INTRODUCTION TO ISLAM P-5-6 KUWAIT 1977

۲۔ ضعفاء والمتروکین لابن الجوزیؒ ج ۳ ص ۶۲، تحقیق الغایہ للزاہدیؒ ص ۳۳۲، نصب الرایہ للزیلعیؒ ج ۳ ص ۲۸۰، ۴۳۲، ۳۰۸، ۳۹۲، ۴۱۷، سنن الکبریٰ للبیہقیؒ ج ۶ ص ۲۶۱، ج ۱ ص ۲۹۰، سنن للدارقطنیؒ ج ۳ ص ۱۳۰، ۲۲۰، ۲۶۲، موضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۷، ۳۸۳، ج ۳ ص ۲۳، تاریخ یحییٰ بن معینؒ ج ۳ ص ۲۸۰، ۳۰۹، ۵۴۳، علل لابن حنبلؒ ج ۱ ص ۱۹۸، تاریخ الکبیر للبخاریؒ ج ۱ ص ۹۶، جرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ ج ۳ ص ۲۷۰، مجروحین لابن حبانؒ ج ۲ ص ۲۵۳، (باقی اگلے صفحہ پر)

ہی کہ یہ "ابن الکلبی" محمد بن سائب نہیں بلکہ کوئی دوسرا شخص ہے کیونکہ محترم ڈاکٹر صاحب کی تصریح کے مطابق اس "ابن الکلبی" کا سنِ وفات ۸۱۹ء ہے اور یہ ایک مؤرخ اور قبل از اسلام عرب کی نوادرات کا ماہر ہے[1]

مگر اس تاریخی شہادت سے زیادہ سے زیادہ جو بات پتہ چلتی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان اور سندھ سے تجار بھی اور دوسرے ممالک کے تجار کی طرح "دبا" کے سالانہ بازار میں اپنا اسباب تجارت لے کر آتے تھے۔ اس تاریخی شہادت سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعتاً دباء نامی مقام تک تشریف لے گئے تھے یا آپ نے دبا کے میلہ میں جو سال میں صرف ایک مرتبہ یعنی ماہ رجب کے آخری دن لگتا تھا ضرور شرکت فرمائی تھی۔ تمام مستند تاریخی کتب صرف اس حد تک بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سالہ عمر میں نبوت سے قبل حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر دوسری بار شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو آپ کا قافلہ وادی الظہران، وادی القریٰ، مدائن اور ارضِ ثمود وغیرہ سے گزرتا ہوا بصرہ پہنچا جہاں آپ نے شام کے عیسائی پادریوں اور راہبوں کو دیکھا اور ان سے گفتگو فرمائی تھی[2]

یہیں معلوم ہوا کہ فاضل ڈاکٹر صاحب نے اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی ٹھوس اور قابلِ اعتماد شہادت پیش نہیں کی ہے بلکہ چند مفروضوں، گمان اور قیاس محض پر پوری تحریر کی عمارت کھڑی کی ہے کہ ایسا اور ویسا ہوا ہو گا حالانکہ واقعۃً ایسا اور ویسا کچھ نہیں ہوا ہے۔

قارئین کرام! ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے خط کشیدہ جملوں کو دہرائیں۔ یہ جملے خود آپ کو ہمارے دعویٰ کی تائید کرتے نظر آئیں گے۔ یقیناً ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی ٹھوس تاریخی دلیل موجود ہوتی تو اس طرح قیاس آرائی اور جدل کی راہ اختیار نہ فرماتے۔

جہاں تک مشہور حدیث "اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ یہ روایت بھی صحیح وسقیم احادیث پرکھنے کی کسوٹی پر کھری ثابت نہیں ہوتی بلکہ محدثین عظام میں سے امام بیہقیؒ کے نزدیک مشہور لیکن ضعیف الاسناد، حافظ ابن الصلاحؒ اور امام حاکمؒ کے نزدیک مشہور لیکن غیر صحیح، ابو علی نیشاپوریؒ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت نہیں، امام احمد بن حنبلؒ اور ابن راہویہؒ کے نزدیک اس باب کی ہر روایت غیر ثابت ہے، امام ابن الجوزیؒ کے نزدیک یہ سب روایات غیر ثابت، واہیات بلکہ کچھ تو موضوع بھی ہیں۔ محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے اس کو "باطل" قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے راقم کا تحقیقی مقالہ طبع در ماہنامہ "محدث" لاہور[1] ملاحظہ فرمائیں۔

اب ڈاکٹر صاحب کو اختیار ہے کہ محض اپنے ذہن کی پیداوار اور گمان کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "دبا" کے میلے میں شریک کروائیں، وہاں چینیوں اور سندھیوں وغیرہ سے آپ کی ملاقات کرائیں، پھر اس بازار میں چینی تاجروں کے پاس ان کا سامان بالخصوص چینی ریشم وغیرہ آپ کو دکھائیں اور ان اسباب تجارت سے آپ کو متاثر بتاتے ہوئے یہ سوال کروائیں کہ تم کتنی دور سے آئے ہو؟ پھر خود ہی ان چینیوں کی طرف سے اس استفسار کا جواب بھی دلوائیں کہ دو ماہ کی مسافت طے کر کے آئے ہیں، پھر ان چینیوں کی صنعت

بقیہ حاشیہ: کامل فی الضعفاء لابن عدیؒ ج ۶ ص ترجمہ ۲۱۲۸، الضعفاء والمتروکین للدارقطنیؒ ترجمہ ص ۳۴۶، الضعفاء والمتروکین للنسائیؒ ترجمہ ص ۵۱۳، میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۳ ص ۵۵۹، تہذیب التہذیب لابن حجرؒ ج ۹ ص ۱۸۰، تقریب التہذیب لابن حجرؒ ج ۲ ص ۱۶۳

۲ Introduction to Islam Page 256

The Life of Mohammad, Dr. M. H. Haykal Page 104

۱ ماہنامہ محدث لاہور ج ۱۸ عدد شمارہ ۶ و ۷ مطابق شوال تا ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ

یا ان کے وطن کی مسافت سے آپ کے متاثر ہونے کو اس مشہور حدیث کا سبب بیان کریں اور پھر بلا دلیل از خود الفاظ کے اس تانے بانے سے اس بات کا امکان بھی پیدا کرلیں کہ "اور آگے جاکر سندھ میں تجارت کے لیے تشریف لے گئے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف سندھ تک ہی پہنچانے کے امکان پر اکتفا کرلیا ورنہ اگر وہ مذکورہ بالا مشہور حدیث کے پیشِ نظر یہ گمان کرلیتے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چینیوں کے اسباب تجارت سے متاثر ہوکر ان کے ساتھ ان کے وطن تک تشریف لے گئے ہوں گے اور پھر اسی مسافت کی طوالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہوگی تو کیا ہم ان کا قلم تھام لیتے یا زبان پکڑ لیتے؟

اب ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا اگلا اقتباس ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"اسی تذکرہ میں ابھی آپ نے سنا کہ ہند کا بھی ذکر ہے یعنی ہندوستانیوں کا بھی جس کا بعد میں ایک اور حدیث میں بھی ثبوت ملتا ہے۔ ایک دن بعض لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے دور سے مدینہ آئے۔ سیدناؐ نے پوچھا.... "یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانیوں کے سے نظر آتے ہیں....." بعینہٖ یہی الفاظ ہیں جو حدیث میں موجود ہیں اور یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے ہندوستانیوں کو اور ہندوستانیوں کے لباس کو دیکھا ہو۔ یہ لوگ یمن کے ایک قبیلے کے لوگ تھے جو مسلمان ہونے کے لیے آئے تھے۔"[1]

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر کے اس حصہ میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے مشہور مورخین میں سے ابن ہشامؒ، طبریؒ، ابن سعدؒ، ابن اثیرؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ رحمہم اللہ نے اپنی مؤلفات میں بیان کیا ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو یمن بھیجا۔ انہوں نے اطلاع بھیجی کہ قبیلہ بنو حارث بن کعب مسلمان ہوگیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو خط لکھا کہ اب مدینہ واپس آجاؤ اور مسلم قبیلے کے چند لوگوں کو بھی ساتھ لاؤ۔ جب وہ آئے تو ان کے ساتھ قبیلہ بنی حارث بن کعب کے وفد میں قیس بن الحصین ذو الغصہؓ، یزید بن عبد المدانؓ، یزید بن المحجلؓ، عبد اللہ بن قراد الزیادیؓ، شداد بن عبید اللہ القنانیؓ اور عمرو بن عبد اللہ الضبابیؓ وغیرہ شامل تھے۔ انہیں دور سے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا،

مَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ الْهِنْدِ؟

(یہ کون لوگ ہیں جو اہلِ ہند کے سے معلوم ہوتے ہیں؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کو علی تقدیر صحت 'دبا' کے میلہ یا سندھ یا ہندوستان تک آپ کی تشریف آوری کے زیر اثر کہنے کے بجائے ارضِ شام کے ہر دو تجارتی سفروں کے تجربات و مشاہدات کے زیر اثر کہنا زیادہ محتاط اور معقول بات ہے کیونکہ ان مقامات تک آپ کا سفر موقوف نہیں ہے البتہ سراندیپ (سری لنکا) سندھ، ہندوستان، ایران، روم، براعظم افریقہ کے جنوب مشرقی سواحل، یمن، بحر عرب اور خلیج فارس کے مختلف جزائر کے باشندوں کی بحری یا دوسری نواحی تجارتی منڈیوں میں آمدورفت کتب تاریخ میں بکثرت مذکور و ثابت ہے پھر اس وفد کے لوگوں کو دیکھ کر ہندوستانی باشندوں کے مشابہ بیان کرنا بھی قطعی طور پر معلوم اور ثابت نہیں ہے۔

وفد بنی الحارث کے اس واقعہ کو ابن ہشامؒ نے "سیرۃ الرسولؐ"[2]

---

[1] ماہنامہ میثاق لاہور ج ۳۸ عدد ۹ ص ۳۶

[2] سیرۃ الرسول لابن ہشامؒ ج ۲ ص ۵۹۴ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت

صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ابن کثیرؒ نے "بدایۃ والنہایۃ"[1] میں ابن اسحاق" سے بلا سند نقل کیا ہے۔ طبریؒ نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنی "تاریخ" میں نقل کیا ہے مگر ابن اثیرؒ کی "کامل فی التاریخ"[2] میں اس قول کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ جہاں تک "طبقات الکبریٰ" میں اس جملے کے مذکور ہونے کا تعلق ہے تو مؤلف رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بیان کرتے وقت سندِ روایت کا التزام کیا ہے جو اس طرح ہے:

"قال اخبرنا محمد بن عمر قال حدثنی
ابراهیم بن موسى المخزومی عن
عبدالله بن عکرمة بن عبد الرحمٰن
بن الحارث عن ابیه قال فذکر"[3]

مگر اسے بھی محض اتفاق ہی کہیے کہ ابن سعدؒ کا مذکورہ طریق بھی ہالک ہے۔ اس میں "محمد بن عمر" دراصل مشہور مؤرخ "محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی المدنی القاضی نزیل بغداد"[4] ہے جس کے کذاب، متروک، غیر ثقہ اور وضاع وغیرہ ہونے پر علمائے جرح والتعدیل کا اتفاق ہے۔ واقدی کے تفصیلی ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: "تاریخ یحییٰ بن معینؒ"، "ضعفاء الکبیر للعقیلیؒ"، "جرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ"، "مجروحین لابن حبانؒ"، "کامل فی الضعفاء لابن عدیؒ"، "ضعفاء والمتروکین للنسائیؒ"، "ضعفاء والمتروکین للدارقطنیؒ"، "ضعفاء الصغیر للبخاریؒ"، "میزان الاعتدال للذہبیؒ"، "تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ" اور "تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ" وغیرہ۔

پس واقدی کی اس روایت کے ساتھ محترم ڈاکٹر صاحب کی آخری دلیل کا سہارا بھی باطل اور ناقابلِ احتجاج ثابت ہوا۔ اب معزز قارئین کو اختیار ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کے محض ظن وتخمین، ذاتی قیاس آرائی، بے بنیاد مفروضوں، مشکوک اور مشتبہ شواہد کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سندھ وہندوستان تک تشریف آوری کا حکم صحت صادر فرماتے ہوئے ایک روشن حقیقت تسلیم کر لیں یا پھر تاوقتیکہ اس کا کوئی ٹھوس، صحیح اور قابلِ احتجاج ثبوت سامنے نہ آئے ہماری اس تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے ان سب امکانات کو قطعاً باطل اور حقیقت سے بعید تصور فرمائیں۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔

---

1. بدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ج ۵ ص ۹۹ طبع دار الفکر بیروت۔
2. کامل فی التاریخ لابن اثیرؒ ج ۲ ص ۱۹۹-۲۰۰ طبع دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء
3. طبقات الکبریٰ لابن سعدؒ ج ۱ ص ۳۳۰-۳۳۱ طبع دار صادر بیروت
4. تاریخ یحییٰ بن معینؒ ج ۳ ص ۱۲۰ (بقیہ اگلا کالم)

بقیہ حاشیہ: ضعفاء الکبیر للعقیلیؒ ج ۴ ص ۱۰۷، جرح والتعدیل لابن ابی حاتمؒ ج ۴ ص ۲۰، مجروحین لابن حبانؒ ج ۲ ص ۲۹۰، کامل فی الضعفاء لابن عدیؒ ج ۶ ترجمہ ۲۲۳۵، ضعفاء والمتروکین للنسائیؒ ترجمہ ۵۳۱، ضعفاء والمتروکین للدارقطنیؒ ترجمہ ۴۷۷، ضعفاء الصغیر بخاریؒ ترجمہ ۳۳۴، میزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۳ ص ۶۶۲، تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانیؒ ج ۹ ص ۳۶۹۔

دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی

ارشادِ نبویؐ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دو آنکھیں ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی
ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی
اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری۔

ترمذی

موت کا منظر

یہ سرائے دہر مسافرو ہے، کسی کا مکاں نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں، کہیں آج ان کا نشاں نہیں

یہ رواں عدم کو ہے کارواں، بشر آگے پیچھے ہیں سب رواں
چلے جاتے سب ہیں کشاں کشاں، کوئی قید پیر و جواں نہیں

نہ رہا سکندرِ ذی حشم، نہ رہے وہ دارا اور نہ جم
جو بنا گیا تھا یہاں ارم[1]، نہ خاک اس کا نشاں نہیں

نہ سخی رہے نہ غنی رہے، نہ ولی رہے نہ نبیؐ رہے
یہ اجل کا خواب وہ خواب ہے کوئی ایسا خوابِ گراں نہیں

یہ ہے موت ایک عجیب شے، کہ صفائے عقل ہے واں کدر
وہ ہے تیرے وقت کی منتظر، تجھے اس کا وہم و گماں نہیں

وہ جھپٹ کے تجھ پہ جب آئے گی، تو بنائے کچھ نہ بن آئے گی
یہ عزیز جاں یوں ہی جائے گی، کہ قضا سا پیکِ رواں نہیں

مگر اک حیاتِ حیات ہے، وہی جس میں سب کی نجات ہے
یہی بات سننے کی بات ہے، ایسی بات کا تو دھیاں نہیں

جو نبیؐ کے عشق کا خار ہے، وہ گلوں کا تاجِ وقار ہے
یہی ایک ایسی بہار ہے، کبھی جس میں دورِ خزاں نہیں

حکیم سیّد محمود علی صاحب، فتحپوری ضلع بارہ بنکی

---

[1] شداد نے اس دنیا میں جنت بنائی تھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔

از مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی

عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت

دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ "دارالعلوم" نے نومبر ۸۹ء کے شمارہ میں "عورت کی سربراہی اسلام کی نظر میں" کے عنوان سے مفتی دارالعلوم دیوبند کا یہ مقالہ شائع کیا ہے۔ مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر ماہنامہ "دارالعلوم" کے شکریہ کے ساتھ اسے نقل کیا جا رہا ہے۔ اسی عنوان پر مدیر "الشریعة" کا مقالہ آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

عورت کی سربراہی کا مسئلہ پاکستان میں آج کل موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ ہندوستان میں بھی کچھ لوگ دلچسپی لے رہے ہیں اور اس بارے میں اخبارات میں بعض مفصل تحریریں نظر سے گذریں۔ علاوہ ازیں ایک فتویٰ بھی دیکھنے میں آیا جس میں اسلامی مملکت کے اندر عورت کی سربراہی کو قرآن و حدیث سے اور فقہی روایات سے مطلقاً جائز قرار دیا گیا ہے اور اس فتوے کو دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب کر کے مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے نام سے شائع کیا گیا ہے حالانکہ دارالعلوم دیوبند سے جواز کا کوئی فتویٰ نہیں دیا گیا اور نہ اس فتویٰ نویس کا دارالعلوم سے کوئی تعلق ہے۔ اس فتویٰ اور اس کے غلط انتساب کی وجہ سے پاکستان میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً بڑا خلجان و اضطراب پایا جا رہا ہے اس لیے بعض بزرگوں کی درخواست پر اس کا تفصیلی جواب تحریر کیا جا رہا ہے۔

جنسی اعتبار سے عورت کی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية (احزاب)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض (نساء)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے گھروں میں رہنے کا حکم دیا ہے اور بلا ضرورت شرعی باہر نکلنے سے انہیں منع فرمایا ہے۔ انہیں باہر کی جد و جہد سے یکسو ہو کر اپنے گھروں کی اصلاح و تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہیے نیز بہت سے اسباب و وجوہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حکمرانی اور بالادستی عطا فرمائی ہے۔

عورت ذات کو اللہ تعالیٰ نے ناقص العقل اور ناقص الدین بنایا، انہیں امامت صغریٰ، امامت کبریٰ، اذان خطبہ، اقامت جمعہ، اقامت عیدین سے محروم رکھا۔ حدود و قصاص میں ان کی شہادت غیر معتبر قرار دی گئی، مردوں کے

مقابلہ میں تنہا عورت کی گواہی آدھی قرار دی گئی۔ انہیں جنازہ میں جانے اور بغیر محرم کے سفر کرنے سے منع کیا گیا۔ جمعہ جیسا اہم ترین رکن ان کے ذمہ واجب نہیں کیا گیا۔ وہ مردوں کی امامت نہیں کر سکتی ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے عقل، علم، فہم تدبر، حسن تدبیر، قوت نظریہ، قوت عملیہ، قوت جسمانیہ، شجاعت، قوت، محنت، صبر و تحمل کے لحاظ سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے پھر مرد لوگ عورتوں پر بڑا مال خرچ کرتے ہیں، ان کا مہر دیتے ہیں، انہیں رہنے کے لیے مکان نان نفقہ دیتے ہیں اس لحاظ سے وہ عورتوں کے محسن ہیں اور محسن ہی کو اپنے محسن پر حکمرانی کا حق ہوتا ہے، محسن اپنے محسن پر حکمرانی کا حق نہیں رکھتا ہے۔

عورت کی حکمرانی و سربراہی

ان ہی اسباب و وجوہ کی بنا پر کسی اسلامی مملکت میں عورت کی حکمرانی و سربراہی موجب عدم فلاح اور علماء محدثین و فقہاء کرام کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے۔ عورت کو حکمران بنانے والے سب ہی گنہگار ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ

بعض روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ

اور بعض روایت میں ہے:

لن یفلح قوم تملکھم امرأۃ

اور ایک روایت میں ہے:

مخرج قوم لا یفلحون قائدھم امرأۃ فی الجنۃ (اعلاء السنن ج ۱۵ ص ۳)

ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ عورت کو اپنا حکمران بنائیں گے اور اپنے ملک کی سربراہی کسی عورت ذات کے سپرد کر دیں گے وہ لوگ فلاح سے محروم رہیں گے۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی اس کے لیے جہاں اور شرائط ذکر کیے گئے ہیں ان میں ایک مذکر ہونا بھی شرط قرار دیا گیا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی محدث بخاری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ (ج ۳ ص ۱۴۴۵)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۴۵)

ابن العربی کا یہ اقتباس علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے اور اس کی تاکید فرمائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ علماء کے درمیان اس میں اختلاف نہیں ہے۔

قال القاضی ابوبکر بن العربی ھذا نص من ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ

(تفسیر القرآن للقرطبی ج ۱۳ ص ۱۸۳)

علامہ بغوی جو مشہور مفسر و محدث گزرے ہیں وہ لکھتے ہیں:

اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماما لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجھاد والقیام بأمر المسلمین ..... والمرأۃ عورۃ لا تصلح للبروز (شرح السنۃ للبغوی ج ۱۰)

باب کراھیۃ تولیۃ النساء

امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لیے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور عورت پوشیدہ (پردہ میں) رہنی چاہیے۔ مجمع عام میں اس کا جانا جائز نہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"حکمرانی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے لہٰذا کسی عورت کی امامت منعقد نہیں ہو گی اگرچہ وہ تمام اوصاف کمال سے متصف ہو اور اس میں استقلال کی صفات پائی جاتی ہوں۔"

علامہ ماوردیؒ جو اسلامی سیاست کے ماہرین میں شمار

کیے جاتے ہیں اور ان کی مشہور کتاب "الاحکام السلطانیہ" اسلامی سیاست کا اہم ترین ماخذ سمجھی جاتی ہے اس میں انہوں نے عورت کی سربراہی تو کجا عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے وزارت تفویض اور وزارت تنفیذ ہر طرح کی ذمہ داری عورت پر ڈالنا ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فصل واما وزارة التنفيذ فحكمها اضعف وشروطها اقل ... ولا يجوز ان تقوم بذلك امراة وان كان خبرها مقبولاً لما تضمنه معنى الولايات المصروفة عن النساء لقول النبي صلى الله عليه وسلم "ما افلح قوم اسندوا امرهم الى امراة" ولان فيها من طلب الرأي وثبات العزم ما تضعف عن النساء ومن الظهور عن مباشرة الامور ما هو عليهن محظور

(ص ۲، ص ۲۵)

جہاں تک وزارتِ تنفیذ کا تعلق ہے وہ نسبتاً کمزور ہے اور اس کے شرائط بھی کم ہیں لیکن یہ جائز نہیں کہ کوئی عورت اس کی ذمہ دار بنے اگرچہ عورت کی خبر مقبول ہے کیونکہ یہ وزارت ایسی ولایتوں پر مشتمل ہے جن کو شریعت نے عورتوں سے الگ رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لن یفلح قوم ولوا امرہم امراۃ" یعنی جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کرے وہ فلاح نہ پائے گی۔ علاوہ ازیں اس وزارت کے لیے جو اصابت رائے اور اولوالعزمی درکار ہے وہ صنفِ نازک میں بہت ضعیف درجہ کی ہوتی ہے۔ نیز اس وزارت کے فرائض انجام دینے کے لیے ایسے انداز سے لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے جو عورتوں کے لیے شرعاً ممنوع ہے۔

بہرحال عورت کے لیے کسی مملکت کی سربراہی کے عدم جواز کا مسئلہ متفق علیہ اور اجماعی مسئلہ ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے اجماعی مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

واتفقوا ان الامامة لا تجوز لامراة

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لیے جائز نہیں۔

(مراتب الاجماع لابن تیمیہ ص۱۲۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے علامہ ابن حزم کی مذکورہ کتاب پر تنقید لکھی ہے یعنی جن مسائل کو علامہ ابن حزمؒ نے اجماعی قرار دیا ہے ان میں سے بعض بعض مسائل میں ابن تیمیہؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن عورت کی سربراہی کے مسئلہ میں انہوں نے علامہ ابن حزم پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔

(نقد مراتب الاجماع لابن تیمیہ ص۱۲۶)

امام ابوحنیفہؒ و ابن جریر طبریؒ کا موقف

کتب احناف مثلاً درمختار، فتح القدیر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جن امور میں عورتوں کی شہادت جائز ہے ان امور میں عورت کو قاضی بنانا بھی جائز ہے کیونکہ عورت شہادت کی اہل ہے اور جب شہادت کی اہلیت رکھتی ہے تو اس کو قضا کا عہدہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر کسی جگہ لوگوں نے عورت کو قاضی بنا دیا یا وہ خود اپنی طاقت کے زور سے قاضی بن بیٹھی اور کسی معاملہ میں حدود شرع کی رعایت کرتے ہوئے فیصلہ کیا تو وہ فیصلہ قابل تسلیم ہوگا، البتہ اس کا فیصلہ حدود و قصاص میں معتبر نہ ہوگا مگر اس کے بعد متصلاً یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عورت کو قاضی بنانا مکروہ ہے یعنی یہ فعل بہرحال گناہ کا ہے۔ درمختار میں ہے:

والمرأة تقضي في غير حد وقود وان اثم المولي لها لخبر البخاري لن يفلح قوم الخ

یعنی عورت کو قاضی بنانا فعل حرام کے قریب قریب ہے اور ممنوع ہے۔

اسی طرح مشہور مفسر حافظ ابن جریر طبری کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ وہ عورت کے قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں اور جب عورت کو قاضی بنایا جاسکتا ہے تو اسے کسی مملکت کی سربراہی بھی سونپی جاسکتی ہے۔ ان

کی تصانیف میں تتبع و تلاش کے باوجود ہمیں ان کی یہ رائے نہیں مل سکی۔ جب تک ان کی کسی کتاب کا اقتباس ہمارے سامنے نہ ہو ان کے موقف کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ بالفرض ہم تسلیم بھی کر لیں کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کی طرح عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں تو اس بات کو مطلقاً عورت کی سربراہی کے جواز کے عنوان سے نقل کرنا بھی درست نہ ہو گا۔

عورت کو قصاص، حدود، تعزیرات اور نکاح کے معاملات کے سوا دوسرے امور میں قاضی بنائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں اگر عورت کو ثالث بنایا جائے یا جزوی طور پر کوئی مقدمہ اس کے سپرد کیا جائے اور وہ شریعت کے اصول و ضابطے کے مطابق صحیح فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ صحیح اور معتبر ہو گا۔ چنانچہ ہمارے اس خیال کی تائید قاضی ابو بکر ابن العربیؒ کی تحریر سے ہوتی ہے۔ وہ بخاری شریف کی حدیث لن یفلح قوم الخ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام محمد بن جریر طبری سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے لیکن ان کی طرف اس مسلک کی نسبت صحیح نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا ہی ہو گا جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ عورت ان معاملات میں فیصلہ کر سکتی ہے جس میں وہ شہادت دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت علی الاطلاق قاضی بن جائے اور یہ کہا جائے کہ فلاں عورت کو قصاص اور نکاح کے معاملات کے علاوہ قاضی بنایا جا رہا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی مسئلہ میں ثالث بنا لیا جائے یا کوئی ایک مقدمہ جزوی طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے وانما ذلک کسبیل التحکیم او الاستنابۃ فی القضیۃ الواحدۃ (احکام القرآن لابن العربی ص ۳۴۴ ج ۳)

بہر حال ان دونوں بزرگوں سے عورت کے لیے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا جو جواز منقول ہے وہ باقاعدہ قاضی بنانے سے متعلق نہیں بلکہ جزوی حیثیت سے ثالث کے طور پر کوئی انفرادی قضیہ نمٹانے سے متعلق ہے۔ پس فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف عورت کے قاضی بننے نہ بننے کے بارے میں ضرور ہے لیکن حکومت کا سربراہ بننے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ امام الحرمین علامہ جوینیؒ فرماتے ہیں:

"سربراہی کے لیے مذکر ہونے کی شرط میں کوئی شک نہیں ہے، جن علماء نے ایسے امور میں عورت کے قاضی بننے کو جائز کہا ہے جن میں عورت گواہ بن سکتی ہے وہ بھی سربراہی کے لیے عورت کی تقرری ناممکن قرار دیتے ہیں کیونکہ قضا کے بارے میں گو یہ ممکن ہے کہ اس کے حدود و اختیارات کو معاملات کے ساتھ خاص کر دیا جائے مگر حکومت کی سربراہی کو شریعت کے نظام کے مطابق کچھ محدود معاملات کے ساتھ خاص کرنا ممکن نہیں۔"

حضرت تھانویؒ کے فتوے کی حیثیت

عورت کی سربراہی کے جواز میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ایک فتویٰ پیش کیا جاتا ہے جو امداد الفتاوی میں مذکور ہے۔ حضرت نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جمہوری حکومت میں سربراہ ایک رکن مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اختیار کلی سلطان وقت کی طرح نہیں ہوتا ہے۔ ہم ذیل میں بعینہ وہ فتوے بعد سوال کے درج کرتے ہیں:

سوال ۱۰۳: بخاری میں حدیث ہے لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا والی و حاکم ہونا موجب عدم فلاح ہے۔ تو کیا جن ریاستوں پر عورتیں حکمران ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں؟

الجواب: حکومت کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم وہ جو تام بھی ہو عام بھی ہو۔ تام سے مراد یہ کہ حاکم بالانفراد خود مختار

ہو یعنی اس کی حکومت شخصی ہو اور اس کے حکم میں کسی حاکم اعلیٰ کی منظوری کی ضرورت نہ ہو گو اس کا حاکم ہونا اس پر موقوف ہو، اور عام یہ کہ اس کی محکوم کوئی محدود و قلیل جماعت نہ ہو۔

دوسری قسم وہ جو تام تو ہو مگر عام نہ ہو

تیسری قسم وہ جو عام ہو مگر تام نہ ہو۔

مثال اول کی کسی عورت کی سلطنت یا ریاست بطرز مذکور شخصی ہو۔

مثال ثانی کی کوئی عورت کسی مختصر جماعت کی منتظم بلا شرکت ہو۔

مثال ثالث کی کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے۔ چنانچہ سبب ورود اس حدیث کا کہ اہل فارس نے دختر کسریٰ کو بادشاہ بنایا تھا اور لفظ "ولوا" میں تولیت کے اطلاق سے متبادر اس کا کمال مفہوم ہونا پھر اس کی اسناد قوم کی طرف ہونا یہ سب اس کا قرینہ ہے کیونکہ یہ طریقہ تولیت کاملہ کا سلطان ہی بنانے کے ساتھ خاص ہے کہ قوم کے اہل حل و عقد باہم متفق ہو کر کسی کو سلطان بنا دیتے ہیں اور سلطان کا کسی کو حکومت دینا یہ بھی بواسطہ سلطان کے قوم ہی کی طرف مسند ہوگا، بخلاف قسم ثانی کے کہ وہاں گو تولیت کاملہ ہوتی ہے مگر وہ مستفاد قوم سے حقیقتاً یا حکماً نہیں ہوتی اور بخلاف ثالث کے کہ وہاں گو اسناد اس کی قوم کی طرف صحیح ہے مگر تولیت کاملہ نہیں ہے بلکہ وہ مشورۂ محضہ ہے گو اس مشورہ کو دوسرے منفرد مشوروں پر ترجیح ہو لیکن اس میں ولایت کاملہ کی شان نہیں ہے ورنہ تمام ارکان کے مخالف ہونے کی صورت میں بھی اسی کو سب پر ترجیح ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ قرینہ تو خود الفاظ حدیث سے ماخوذ ہے۔ اب دوسرے دلائل شرعیہ میں جو نظر کی جاتی ہے تو اس تفصیل کی تائید ہوتی ہے، حضرت بلقیس کی سلطنت کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس میں آیت ہے:

ماکنت قاطعة امرا حتی تشهدون جس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کا طرز عمل خواہ ضابطہ سے خواہ بلقیس کی عادت مستمرہ سے سلطنت جمہوری کا سا تھا اور بعد ان کے ایمان لے آنے کے کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، پس ظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع سے اس سلطنت کا بحالہا باقی رہنا ہے اور تاریخ صراحۃً اس کی مؤید ہے اور قاعدۂ اصولیہ ہے کہ اذا قص اللہ ورسولہ علینا امرا من غیر نکیر علیہ فہو حجۃ لنا۔ پس قرآن سے ظاہراً ثابت ہو گیا کہ سلطنت جمہوری عورت کی ہو سکتی ہے جو قسم ثالث ہے، حکومت کے اقسام ثلثہ مذکورہ میں سے اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کے مشورہ پر عمل فرمایا اور انجام اس کا محمود ہوا اور اگر سلطنت شخصی بھی ہو مگر ملکۃً التزاماً اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو وہ بھی اس حدیث میں داخل نہیں کیونکہ علت عدم فلاح کی نقصان علم ہے اور جب مشورۂ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم فلاح بھی منتفی ہو گیا جیسے نقصان شہادت نساء انضمام شہادت رجال سے منجبر ہو جاتا ہے سلطنت بلقیس میں یہ شق بھی محتمل ہے جس کی طرف اوپر اس عبارت میں اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ خواہ بلقیس کی عادت مستمرہ الخ اور حدیث شیخین میں ہے فالامام الذی علی الناس راع الی قولہ علیہ السلام والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وولدہ وہی مسئولۃ عنہم لفظ راعیۃ مثل لفظ راع جو اس سے قبل ہے مستعمل ہے معنی حاکم میں اس حدیث سے قسم ثانی کا عورت کے لیے مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرات فقہاء نے امامت کبریٰ میں ذکورۃ کی شرط صحت اور قضا میں گو شرط صحت نہیں مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے اور نظارت و وصیت و شہادت میں کسی درجہ میں اس کو شرط نہیں کہا، کذا فی الدر المختار باب الامامۃ و کتاب القاضی

الی القاضی، قضاء کے اس علم مذکور قسم اول وثانی کے احکام کی تفریع ہے اور قسم ثالث مقتبس ہے قسم ثانی پر لاشتراکھما فی کونھما غیر جامعین لوصف التمام والعموم

جب دلائل بالا سے ثابت ہوگیا کہ حدیث میں مذکور قسم اول ہے تو معلوم ہوگیا کہ ایسی ریاستیں جو آج کل زیر فرمان عورتوں کے ہیں اس حدیث میں داخل نہیں اس لیے کہ اگر اس کے محکومین کو مختفر قرار دیا جائے تب وہ قسم ثانی ہے اور اگر اس جماعت کو مختفر نہ قرار دیا جائے تب بھی وہ درحقیقت جمہوری ہیں یا تو ظاہراً بھی جہاں پارلیمنٹ کا وجود شاہد ہے اور یا صرف باطناً جہاں پارلیمنٹ تو نہیں ہے لیکن اکثر احکام میں کسی حاکم بالا سے جو صاحب سلطنت یا نائب سلطنت ہو منظوری لینا پڑتی ہے پس اس طور سے وہ قسم ثالث ہیں اور اب یہ بھی شبہ نہ رہا کہ ظاہر یہ رئیسات مثل قاضی کے ہیں اور قاضی عورت کا حکم حدود وقصاص میں نافذ نہیں ہوتا۔ کما صرح بہ الفقہاء۔

تو ایسے احکام کے نفاذ کی ان ریاسات میں کونسی صورت صحت کی نہ ہوگی۔ وجہ رفع شبہ کی ظاہر ہے کہ وہ ریاست اولاً تو جمہوری ہے اور علی السبیل التنزل یوں کہا جائے گا کہ چونکہ قضاۃ تو ذکور ہیں اس لیے وہ احکام نافذ ہو جائیں گے جیسا کہ فقہاء نے قضاۃ منصوبین من السلطان غیر المسلم کے جمیع احکام کو صحیح ونافذ فرمایا ہے بالجملہ تحقیق مذکور ثابت ہوگیا کہ یہ ریاستیں عدم فلاح کے حکم سے بری ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس فتوے کا حاصل یہ ہے کہ ایسی شخصی حکومت جس میں اقتدار اعلیٰ صرف امیر المسلمین یا بادشاہ وقت کو ہوتا ہے اور اسے کلی اختیارات حاصل ہوتے ہیں ایسی حکومت کی سربراہ عورت کو بنانا عدم فلاح کا موجب ہے اور جمہوری حکومت جس میں پارلیمنٹ کے مشوروں کے بعد احکام کا نفاذ ہوتا ہے سربراہ کی حیثیت اس حکومت میں ایک رکن مشورہ کی ہوتی ہے اس لیے وہ والی حقیقی نہیں ہوتا۔ والی حقیقی تو پارلیمنٹ کے ممبروں کا مجموعہ ہوتا ہے اور رکن مشورہ بننا عورت کے لیے جائز ہے کیونکہ جمہوری حکومت کی حقیقت محض مشورہ ہے اور عورت مشورہ کی اہل ہے البتہ امامت کبریٰ یعنی حکومت کی سربراہی میں مرد ہونا شرط ہے اور قاضی بنانے میں صون عن الاثم یعنی گناہ سے بچنا شرط ہے۔ مرد ہونا شرط نہیں ہے۔

کچھ لوگ حضرت تھانویؒ کے اس فتوے کو عورت کی سربراہی کے جواز میں پیش کرتے ہیں اور جمہوری حکومت کے سربراہ کو پارلیمانی مشیروں کا تابع سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ موجودہ جمہوری نظام حکومت کی سربراہی کو حضرت تھانویؒ کے مذکورہ فتوے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ حضرت تھانویؒ کا فتویٰ انگریزی دور میں لکھا گیا ہے اور انگریزی دور کی رئیسات کے بارے میں لکھا گیا تھا، آج کی آزاد جمہوری حکومتوں کی صورت حال انگریزی دور سے بہت مختلف فیہ ہے۔ جمہوری نظام حکومت میں خواہ پارلیمنٹری نظام ہو یا صدارتی طاقت کا مرکز وزیر اعظم اور صدر مملکت دونوں ہی ہوتے ہیں۔ کہیں صدر کا پلہ بھاری ہوتا ہے اور کہیں وزیر اعظم کا، اس لیے جمہوری حکومتوں کے یہ دونوں عہدے حضرت تھانویؒ کے فتوے کی رُو سے قسم اول (یعنی حکومت تام بھی اور عام بھی) میں داخل ہیں۔ لہٰذا حضرت تھانویؒ کا فتویٰ مجوزین کے لیے مفید مقصد نہیں ہو سکتا۔

غرض تاریخ اسلام میں کبھی کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی حکمرانی کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔

عورت کی سربراہی پر استدلال
بلقیس کے واقعہ سے

کچھ لوگ عورت کی سربراہی پر جواز کے لیے ملکۂ سبا یعنی بلقیس کی حکمرانی کا واقعہ پیش کرتے ہیں یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط لکھنے پر جب وہ مطیع اور فرمانبردار ہوگئی اور اسلام قبول کر لیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بادشاہت کو برقرار رکھا جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے حالانکہ قرآن پاک کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت سلیمان

علیہ السلام نے بلقیس کی حکومت تسلیم نہیں کی بلکہ اس کے نام جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان لا تعلوا علی واتونی مسلمین
یعنی تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور میرے پاس میری مطیع اور فرمانبردار بن کر آجاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں فرمایا بلکہ اسے اپنا ماتحت بن کر آنے کا حکم دیا نیز اس کا بھیجا ہوا تحفہ قبول نہیں فرمایا۔ اس کا تخت بھی اٹھوا کر منگوا لیا اور اس کی ہئیت بھی بدل ڈالی اور بلقیس جب حضرت سلیمانؑ کے محل میں آئی تو اس نے کہا:

پروردگارا! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے جھک گئی۔ (سورہ نمل ۴۴)

قرآن پاک کے بیان سے دور تک بھی بلقیس کی سربراہی اور اس کی حکومت برقرار رکھنے کا شائبہ تک نظر نہیں آتا، بلکہ قرآن کے پڑھنے سے یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے اسلام کے بعد اس کی حکومت کو جائز نہیں رکھا نہ اسے تسلیم فرمایا بلکہ اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

بعض اسرائیلی روایات میں منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کر کے اسے یمن بھیج دیا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ نکاح کرنے کے بعد شام بھیج دیا تھا، بعض میں ہے کہ نکاح کے بعد بلقیس کو اپنے پاس رکھا، بعض میں ہے کہ بلقیس کا نکاح ہمدان کے بادشاہ سے کر دیا۔ غرض اس سلسلہ میں تاریخی روایات بہت متضاد ملتی ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے ان تمام اسرائیلی روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے نہ اس بارے میں کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے نکاح کیا نہ اس بارے میں کہ کسی اور سے نکاح کرایا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۰-۲۱۱ ج ۱۳)

بہر حال بلقیس کی سربراہی اور حکومت کا پتہ جن روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ تمام کی تمام غیر صحیح اور غیر مستند ہیں اور آپس میں متضاد ہیں۔ اس طرح کی روایات سے عورت کی سربراہی پر استدلال کسی طرح درست نہ ہوگا۔ حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے:

"ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔" (بیان القرآن ص ۸ ج ۸ سورہ نمل)

جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت سے استدلال

بعض حضرات نے عورت کی سربراہی پر جنگ جمل کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس جنگ میں قیادت کی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حضرت عائشہؓ نے کبھی قیادت کا دعویٰ کیا نہ ان کے ساتھیوں نے آپ کو جنگ میں قائد و سربراہ بنایا نہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت عائشہؓ کا مقصد نہ کوئی سیاست و حکومت تھی نہ ہی وہ جنگ کرنے کے ارادہ سے نکلی تھیں بلکہ روایات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ محض حضرت عثمانؓ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرانے کے مقصد سے گئی تھیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

جب حضرت عائشہؓ بصرہ جا رہی تھیں تو راستہ میں ایک جگہ قیام کیا، رات میں وہاں کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون سا

مقام ہے، لوگوں نے بتایا "حواب" نامی چشمہ ہے۔ حواب کا نام سنتے ہی حضرت عائشہؓ چونک اٹھیں، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہم ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔

(مسند احمد ص۵۲ ج ۱)

حضرت عائشہؓ نے حواب کا نام سن کر آگے جانے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے مدینہ واپس لوٹا دو، لیکن بعض حضرات نے آپ کو چلنے کے لیے اصرار کیا اور کہا کہ آپ کی وجہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ بہرحال حضرت عائشہؓ نے دوبارہ سفر شروع کیا اور بصرہ پہنچیں اور جو مقدر میں تھا وہ پیش آیا۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۳۱ ج ۶)

باوجودیکہ حضرت عائشہؓ کا سفر مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقصد کے لیے تھا مگر صحابۂ کرام اور دوسری امہات المومنین کو حضرت عائشہؓ کا خواتین کے اسلامی دائرے سے نکلنا پسند نہ آیا، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے جب حضرت عائشہؓ کو خط لکھا اور اس میں انہیں گھر سے نکلنے پر تنبیہ فرمائی اور گھر رہنے کی نصیحت فرمائی۔ اسی طرح کا نصیحت آمیز خط حضرت زید بن صوحانؒ نے بھی لکھا۔ چنانچہ اس سفر کرنے پر حضرت عائشہؓ کو بعد میں بڑی ندامت و شرمندگی رہی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے فرمایا آپ نے مجھے اس میں جانے سے کیوں نہیں روکا؟ اگر آپ مجھے روک دیتے تو میں گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ بہرحال وہ نادم ہوئیں اور اپنے اس نکلنے پر توبہ بھی کی۔ بعد میں ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت جب آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ پر پہنچتیں تو اس قدر روتیں کہ ان کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ ان حالات میں حضرت عائشہؓ کی سربراہی کے اوپر استدلال کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کا تو تصور بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہیں آیا تھا۔

بہرحال کسی اسلامی ملک کی سربراہی کے لیے عورت کا تقرر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ تمام ائمہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے اور یہ اجماعی مسئلہ بن چکا ہے۔ کامل العقل اور اہلیت رکھنے والے مردوں کے موجود ہوتے ہوئے عورت کو ملک کی وزارت یا صدر کے لیے منتخب کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے نہ صرف ننگ و عار کا باعث ہے بلکہ تاریخ اسلام میں ایک بدنما داغ ہے اور مملکت کے یقینی ناکام ہونے کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے اخروهن من حيث اخرهن الله۔ یعنی عورتوں کو پیچھے کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رتبہ کو مردوں کے مقابلے میں (سلطنت ولایت وغیرہ میں) پیچھے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کی اتباع کرنے کی توفیق بخشے اور اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

جب عورت حکمران ہو

تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے
اس کی پشت سے بہتر ہے

(ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

جب تمہارے حکام تم میں سے اچھے لوگ ہوں تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے پائیں تو تمہارے لیے زمین کی پشت زمین کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بُرے لوگ ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو
زمین کا پیٹ تمہارے لیے
اس کی پشت سے بہتر ہے

(ترمذی ص۵۱ ج۲)

توہین صحابہؓ کے مرتکب کو تین سال قید بامشقت کی سزا

اسسٹنٹ کمشنر اسلام آباد جناب ملک محمد حنیف کا ایک اہم فیصلہ

بعدالت جناب ملک محمد حنیف صاحب
اسسٹنٹ کمشنر / مجسٹریٹ درجہ اول اسلام آباد
سٹیٹ بنام عبدالقیوم علوی
مقدمہ علت نمبر ۱۳ مورخہ ۱۳/۲/۸۵
بجرم 295/A 298/A ت پ
تھانہ آبپارہ

حکم

عبدالقیوم علوی ولد غلام حسین قوم اعوان سکنہ پنڈ سنگرال تھانہ گولڑہ شریف اسلام آباد کو پولیس تھانہ آبپارہ نے بجرم 295/A 298/A ت پ چالان کر کے بغرض سماعت پیش عدالت کیا۔

مختصر حالات مقدمہ اس طرح ہیں کہ مورخہ ۱۳/۲/۸۵ کو مدعی مقدمہ مولانا محمد عبداللہ صدر جمعیت اہلسنت والجماعت پاکستان / خطیب مرکزی مسجد سیکٹر G-6/4 اسلام آباد نے تحریری درخواست تھانہ آبپارہ گذاری کہ کتاب "تاریخ مذہب" (حصہ اول) مصنفہ عبدالقیوم علوی (ملزم) میں بعض صحابہ کرامؓ اور بزرگ ہستیوں بشمول حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق مصنف نے قابل اعتراض الفاظ استعمال کیے اور ان کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کافر، کتے، خنزیر کے برابر اور منافق دشمن اسلام ملعون اور دین کے معاملہ میں خصوصاً ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے جس سے مدعی اور سنی اکثریت کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

دوران تفتیش کتاب مذکورہ بالا قبضہ پولیس میں لی گئی۔ گواہان کے بیانات قلمبند ہوئے، ملزم کو گرفتار کیا جا کر بعد تکمیل تفتیش چالان عدالت کیا گیا۔ مورخہ ۱۵/۵/۸۵ کو نقول بیانات گواہان استغاثہ تقسیم ہو کر مورخہ ۳۰/۴/۸۵ کو ملزم پر فرد جرم زیر دفعات 295/A، 298/A عائد ہوئی۔ ملزم کے انکار پر شہادت استغاثہ طلب ہو کر قلمبند ہوئی۔

گواہان استغاثہ نمبر ۱، نمبر ۲ فرد مقبوضگی Ex P1 "تاریخ مذہب" (حصہ اول) ہیں جنہوں نے بابت مقبوضگی کتاب بیان کیا۔ گواہ استغاثہ نمبر ۳ مدعی مقدمہ جنہوں نے اپنی رپورٹ ابتدائی Ex PB کی تائید کی اور بتایا کہ وہ ان کی قلمی و دستخطی ہے نیز اس نے بتایا کہ اس نے دوران تفتیش کتاب Ex P2 پیش کی اور وہ پولیس نے بذریعہ فرد Ex PC قبضہ پولیس میں لی جس پر گواہ نے اپنے دستخط شناخت کی۔ گواہ نے اپنی شہادت کے دوران بتایا کہ کتاب کے مختلف حصوں میں مصنف نے صحابہ کرامؓ کے بارہ میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کو ناصبی کہا ہے جبکہ مصنف نے ناصبیوں کے لیے کتے، خنزیر، ملعون اور کافر منافق جیسے بُرے القاب سے تعبیر کیا جس سے مدعی کی اور تمام اہل سنت ساتھیوں (گواہان) مذہب کی دلآزاری ہوئی اور ان کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے۔ گواہ نے اس بارہ میں کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶ مقام 'A' تا 'A' اور صفحہ نمبر ۲۱ مقام 'B' تا 'B' اور صفحہ نمبر ۱۵ مقام C تا C کا خاص طور پر ذکر کیا۔ مزید بتایا کہ اس نے ایک مفصل رپورٹ (P-4 Ex P4) ایسے ہی حوالہ جات پر مبنی تیار کر کے پولیس کو دی جو کہ ان کی اور گواہ عبدالغفور کی دستخطی ہے۔

گواہ نے بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی جن کے

مذہبی جذبات مجروح ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کو صحابی اور کاتب وحی سمجھتے ہیں۔ جرح میں گواہ نے بتایا کہ اس کی دل آزاری مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور اہل سنت والجماعت ہونے کی حیثیت سے اور علماء دیوبند کے ساتھ تعلق کی حیثیت سے ہوئی ہے۔

گواہ استغاثہ نمبر ۳ کرامت خان ASI محرر FIR ہے۔ گواہ نے بتایا کہ اس نے رسمی رپورٹ ابتدائی Ex PB/I حسب کہہ تحریر مدعی Ex PA درست طور پر قلمبند کی۔

گواہان استغاثہ نمبر ۵، نمبر ۶ نے بھی متفقہ طور پر بتایا کہ بحیثیت مسلمان اور اہلسنت والجماعت ان کے مذہبی جذبات ملزم کی مصنفہ کتاب "تاریخ نواصب" (حصہ اول) پڑھ کر مجروح ہوئے ہیں۔ چونکہ مصنف نے اپنی کتاب میں صحابہ کرامؓ کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کیے اور انہیں ناصبی گردانا جس کی تعبیر مصنف نے کتے اور خنزیر وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے کی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دوران شہادت گواہ استغاثہ نمبر ۶ مولانا عبدالغفور ملزم سے ذیل سوالات عدالت نے پوچھے جو کہ مع جوابات ملزم درج ہیں۔

سوال عدالت: کیا آپ نے حضرت معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کو کافر، منافق، ظالم وغیرہ کہا ہے؟

جواب: میں نے بالکل یہ کہا ہے اور کتاب میں لکھا ہے۔

سوال عدالت: کیا آپ کی نظر میں ان صحابہ کو برا بھلا کہنے سے جذبات مجروح نہیں ہوتے۔

جواب: اس سے جذبات مجروح نہیں ہوتے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ ظالم اور بری شخصیتیں ہیں۔

گواہ استغاثہ نمبر ۸ ریاض احمد SI تفتیشی افسر مقدمہ ہذا ہے گواہ نے اپنے بیان میں بتایا کہ اس نے دوران تفتیش حسب پیش کردہ گواہان کتاب Ex P2، P1، "تاریخ نواصب" بذریعہ فردات Ex PC، Ex PA قبضہ پولیس میں لی۔ نقشہ موقعہ Ex PE مرتب کیا اور کتاب کے قابل اعتراض اقتباسات ۱۴-۱ اسے Ex P4-P14 پیش کردہ گواہان حاصل کر کے شامل مثل کیے۔

گواہ نے مزید بتایا کہ ملزم نے صحابہ کرامؓ کی توہین کی ہے اور اہلسنت والجماعت کے جذبات کو مجروح کیا ہے جس کی وجہ سے ملزم کو گنہگار پاکر چالان عدالت کیا۔ اس گواہ پر باوجود موقعہ دینے کے ملزم نے جرح نہ کی اور اس مرحلہ پر شہادت استغاثہ کی تکمیل ہوئی۔

شہادت استغاثہ کی قلمبندی کے بعد مورخہ ۲/۹/۹۱ کو ملزم کا بیان زیر دفعہ ۳۴۲ ض ف قلمبند کیا گیا۔ گواہ نے اپنے بیان میں بتایا کہ کتاب P1، P2 "تاریخ نواصب" (حصہ اول) کا وہ مصنف ہے۔ اس نے موقف اختیار کیا کہ اس نے کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین نہ کی ہے اور نہ ہی کسی سنی کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ ملزم نے مزید بتایا کہ وہ اپنے دیگر بیان میں تفصیلات بابت کتب مصنفین اہل والجماعت جس نے اصحاب رسول کو کافر منافق وغیرہ لکھا ہو بتائے گا اور یہ بھی بتائے گا کہ اس کے خلاف مقدمہ کیوں بنایا گیا ہے۔ تاہم ملزم نے بعد ازاں مورخہ ۴/۱۲/۹۱ کو بیان کیا کہ وہ زیر دفعہ ۳۴۰ ض ف بیان نہ دینا چاہتا ہے۔ اس مرحلہ پر بحث فریقین سماعت کی گئی اور مثل کا بغور مطالعہ کیا گیا۔

دوران بحث ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی کہ دفعہ ۱۹۶ ض ف کے تحت دفعہ ۲۹۵/A ت پ کی سماعت سے پہلے مرکزی یا صوبائی حکومت یا ان کی طرف سے مجاز اتھارٹی کی نالش ضروری تھی جو کہ حاصل نہ کی گئی ہے۔ اس قانونی نقطہ سے ہم اتفاق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقعی سماعت مقدمہ کرنے سے پہلے اس بارہ میں کارروائی کرنا لازمی تھی جو کہ نہ کی گئی ہے۔ ہم اس مرحلہ پر جب کہ مقدمہ ہذا سال ۱۹۸۵ء سے زیر سماعت ہے اس بارہ میں تحریک کو تقاضائے انصاف کے خلاف اور نامناسب سمجھتے ہیں۔ معزز مثل برآمدہ شہادت اور بیان ملزم سے عیاں ہے کہ

کتاب "تاریخ مذاہب" (حصہ اول) ملزم ہی کی تصنیف ہے اور ملزم نے اس امر کو خود تسلیم کیا۔ نیز ملزم نے دوران کارروائی عدالت واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اس نے اپنی کتاب مذکورہ بالا میں حضرت امیر معاویہؓ اور عمروؓ بن عاص اور مغیرہؓ بن شعبہ کو کافر، منافق، ملعون، بدکردار، فاسق، فاجر اور ظالم وغیرہ کہا ہے۔ تاہم یہ مؤقف اختیار کیا کہ اس کے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ صحابی نہیں ہیں

شہادت استغاثہ اور تاریخ اسلام پر لکھی گئی مستند کتب کے حوالے سے اس امر کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ صحابیٔ رسولؐ اور کاتب وحی تھے۔ اسی طرح عمروؓ بن عاص اور مغیرہؓ بن شعبہ بھی اصحاب رسولؐ تھے ملزم کے مذکورہ شخصیتوں کو اصحابؓ رسولؐ نہ ماننے سے قطعاً تاریخی واقعات و حالات تبدیل نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مذہب اسلام کے لاکھوں پیروکار ان شخصیتوں کو صحابیٔ رسولؐ سمجھتے ہیں اور اس بات کا علم ملزم کو بھی ہے اور ملزم نے جان بوجھ کر ان شخصیتوں کے بارے میں عمداً نازیبا الفاظ استعمال کر کے اہل سنت والجماعت و دیگر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا ہے۔

بحالات بالا ہم سمجھتے ہیں کہ استغاثہ اپنے مقدمہ کو بدون شک وشبہ ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے نیز یہ کہ نازیبا الفاظ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا شخصیتوں کے لیے استعمال کرنے کو بھی ملزم از خود تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا ہم ملزم کو زیر دفعہ ۲۹۸/A ت پ تین سال قید بامشقت کی سزا دیتے ہیں تاہم اس سزا کا اطلاق حسب منشاء زیر دفعہ ۳۸۲/B ض ف ہوگا۔ حکم سنایا گیا۔ مثل بعد ترتیب و تکمیل داخل دفتر ہو وے۔

دستخط

اسسٹنٹ کمشنر / مجسٹریٹ درجہ اول

اسلام آباد ۸۹-۱۱-۱۵

بقیہ: جہاد افغانستان مجاہدین

سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اس گٹھ جوڑ کو مسترد کر دیا ہے وہ بھی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہیں مگر کفر اور منافقت کے ساتھ مفاہمت پر آمادہ نہیں ہیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ صورت حال کچھ بدل گئی ہے، حالات میں تغیر آیا ہے، مجاہدین کی مشکلات بڑھی ہیں۔ ان کی جنگ لمبی ہو گئی ہے۔ آزمائش کا عرصہ طویل ہو گیا ہے لیکن جہاد کی کامیابی کا راستہ یہی ہے۔ کفر و منافقت کی مکمل شکست اور اسلام کی مکمل بالادستی کا راستہ یہی ہے۔

میں نے مجاہدین کو محاذِ جنگ پر دیکھا ہے۔ ان کے مورچوں میں گیا ہوں اور ان کے عزم و حوصلہ کا مشاہدہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مشکلات ان کی راہ میں حائل نہیں ہوں گی۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ جہادِ افغانستان اپنی فطری رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ امریکہ اور اسلام آباد کے رویہ میں تبدیلی کے باوجود مجاہدین کے قدم رُکے نہیں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں اور فطری رفتار میں بڑھ رہے ہیں۔ وہ دن دُور نہیں جب مجاہدین کابل پر شریعت اسلامیہ کی بالادستی کا پرچم لہرائیں گے اور میرے نزدیک وہ دن جہاد کے اختتام کا نہیں ہوگا بلکہ وہی دن پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک میں استعماری نظاموں اور منافقت کے اسلام کے خلاف جہاد کے آغاز کا دن ہوگا۔ خدا ہمیں وہ دن جلدی دکھائے اور اس دن کے لیے خود کو تیار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ماہنامہ

الشریعۃ

گوجرانوالہ

کا سالانہ چندہ

بذریعہ حبیب بنک بازار تھانیوالا گوجرانوالہ
اکاؤنٹ ۱۵۹۹ (بنام مولانا زاہد الراشدی / ابوعمار)

یا منیجر ماہنامہ الشریعۃ، مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کے نام بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کے لیے

پوسٹ بکس ۳۳۱ گوجرانوالہ

منقبتِ صحابہؓ

عشقِ یارانِ نبیؐ خوشنودیٔ ربِّ جلیل
حُبِّ اصحابِ نبیؐ خوش قسمتی کی ہے دلیل

جو کوئی ان کی بزرگی کا نہیں ہے معترف
دونوں عالم میں یقیناً ہو گیا خوار و ذلیل

عزت و تکریمِ یارانِ محمدِ مصطفےٰ
ہے یقینِ محکم و ایمانِ اکمل کی دلیل

اُن صحابہؓ سے تنفر ہے مریضِ گمرہی
جن کے ہوں قرآن میں مذکور اوصافِ جمیل

چار یارانِؓ محمد مصطفےٰ کی پیروی
حفظِ ایمان و یقیں کی ہے دوائے بے عدیل

بُغضِ یارانِ نبیؐ سے ''حق تعالیٰ کی پناہ''
مرتکب اِن حرکتوں کے ہیں نہایت ہی ذلیل

ہے تبرا اُن شقی بدبخت لوگوں کا طریق
علم و دانش کا ہے جن کے پاس سرمایہ قلیل

بے عملی جن کی شریعت من گھڑت جن کا فقہ
ساتھ لغویات کا ہے دفترِ طول و طویل

اہلِ سنت والجماعت کے طریقے میں ہے خیر
دین و دنیا میں یہی ہے کامیابی کی سبیل

آخرت کی فکر کر سرور غلط لوگوں سے بچ
وقت تھوڑا رہ گیا ، بجنے کو ہے کوسِ رحیل

سرور میواتی

تعارف و تبصرہ

مُعلّم عربی

حصہ اول و دوم

مدیر کے قلم سے

مؤلف مولانا سعید احمد عنایت اللہ
صفحات حصہ اول ۱۸۰ حصہ دوم ۳۰۰
کتابت و طباعت عمدہ
ناشر قرطبہ ٹریڈرز، سیالکوٹ

عربی مسلمانوں کی دینی و علمی زبان ہونے کی وجہ سے ہر دور میں خصوصیت کی حامل رہی ہے اور دنیا بھر میں عربی کی تعلیم و ترویج کے لیے مسلم علماء اور ادارے کوشاں رہے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں عربی کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ اس خطہ میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا اور ہر دور کے ضروریات اور تقاضوں کے متعلق اہل علم نے اس مقصد کے لیے کتب و رسائل تحریر کیے ہیں جن کو جمع کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ ذخیرہ بن جاتا ہے۔

ہمارے ہاں دینی مدارس میں رائج "درس نظامی" کے نصاب میں عربی زبان کی مہارت سے طالب علم کو بہرہ ور کرنے کے لیے صرف و نحو، ادب اور معانی و بلاغت کی جو کتابیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ شامل کی گئی ہیں۔ قرآن و حدیث اور دیگر اسلامی علوم کے ذخیرہ سے بھرپور استفادہ کے لیے ان کی افادیت و ضرورت آج بھی مسلم ہے تاہم دورِ حاضر میں تعلیم کے طریق کار اور اسلوب پر سامنے آنے والے نئے رجحانات ان کتابوں کے حوالے سے نصاب تعلیم میں "تکرار اور طوالت" کے خدشے سے دوچار ہیں اور ایسی کتابوں کی ضرورت پر مسلسل زور دیا جا رہا ہے جس میں اختصار اور آسانی کے ساتھ تمام متعلقہ مسائل طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی صورت اختیار کی گئی ہو

اگرچہ دینی علوم میں مہارت تامہ حاصل کرنے والے طلبہ اور علماء کے لیے یہ صورت ہمارے نزدیک "محل نظر" ہے، تاہم جو طبقہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت و استعداد فی الجملہ حاصل کرنے کا خواہش مند ہے اس کے لیے صرف و نحو کے نصاب میں "اختصار و سہولت" کی ضرورت و اہمیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے اور اس مقصد کے لیے اردو میں لکھی جانے والی کتابوں میں مولانا سعید احمد عنایت اللہ کی یہ کتاب بلاشبہ ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

مولانا سعید احمد عنایت اللہ ہمارے محترم دوست ہیں۔ سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں مدرس ہیں اور دینی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ انہوں نے صرف و نحو کے قواعد کو آسان زبان اور سہل انداز میں مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کر کے مشق و تمرین کے ذریعے انہیں طلبہ کے ذہنوں میں اتارنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اللہ پاک انہیں جزائے خیر سے نوازیں آمین یا الٰہ العالمین۔ قیمت کتاب پر درج نہیں ہے اسے قرطبہ ٹریڈرز سیالکوٹ نے شائع کیا ہے اور مکتبہ عزیزیہ اردو بازار لاہور سے بھی طلب کی جا سکتی ہے۔

سیرت مجمع کمالات

از پروفیسر محمد عبد الجبار شیخ
صفحات ۳۸۰
کتابت و طباعت عمدہ

ناشر: ادارہ تعلیمات سیرت، علامہ اقبال کالونی
سیالکوٹ کینٹ

سیالکوٹ کے جناب پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ کو اللہ رب العزت نے علمی و دینی ذوق کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ خصوصی لگاؤ سے نوازا ہے۔ انہوں نے مختلف عالمی اور قومی سیرت کانفرنسوں میں سیرت طیبہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کے متعدد پہلوؤں پر مقالات کی صورت میں اپنے جذبات و احساسات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور زیر نظر کتاب ان کے اسی نوعیت کے گیارہ مقالات کا مجموعہ ہے۔

جناب عبدالجبار شیخ نے روایتی انداز سے ہٹ کر اجتماعی زندگی میں پیش آمدہ مسائل پر سیرت طیبہ کی روشنی میں بحث کی ہے اور عام فہم انداز میں ان مسائل کے اسلامی حل سے آج کی انسانی اجتماعیت کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔

بقیہ: علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

اپنا سب کچھ دین کے لیے قربان کردیں۔ علماء کرام کا یہ فرض بھی بنتا ہے کہ عملی طور پر لوگوں کے سامنے نمونہ پیش کریں سماجی اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

مضمون کو مختصر کرتے ہوئے شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک قول پر ختم کرتا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ جب کوئی عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہوجاتا ہے جس کو اس کا کوئی نائب ہی بھر سکتا ہے۔ (احیاء العلوم)

تمام امت پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اپنے علماء کا ادب و احترام کریں۔ ان کی خدمت کریں۔ ان کے پاس جاکر دینی معلومات حاصل کریں۔ ان کی توہین سے بچیں اور ان لوگوں سے بھی دور رہیں جو علماء کرام کی توہین کرتے ہیں۔ علماء بھی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

دعا ہے کہ اللہ پاک مسلمانوں کو اپنے مذہبی راہنماؤں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بقیہ: اسلام کا فطری نظام

مخلوق خدا میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اسی طرح آپ کا اسوۂ حسنہ بھی بے مثل اور بے نظیر ہے جس کا تمام عالم میں کوئی بدل ہی نہیں ہے ؂

شراب خوشگوارم ہست و یار مہرباں ساقی
ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم

جس طرح قرآن کریم میں آپ کی اطاعت اور اتباع کو امت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے اور تمام امت پر آپ کے عمدہ ترین اسوۂ حسنہ کی پیروی ضروری بتائی گئی ہے

اسی طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عیاں الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: (ترجمہ) تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کی خواہش میری خواہش کے تابع نہ ہو۔ اور پروردگار عالم نے قسم اٹھا کر یہ حکم بیان کیا ہے کہ تیرے رب کی (یعنی مجھے اپنی ذات کی) قسم کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ آپ کو ہر بات اور ہر معاملہ میں اپنا فیصل اور حکم تسلیم نہ کریں اور پھر دل میں ذرہ بھر تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے حکم کے سامنے گردن تسلیم خم نہ کردیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ الآیۃ۔ اس کے بعد بھی اگر کسی ابلہ فریب کو یہ مغالطہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور آپ کی اطاعت اور اتباع ہمارے لیے لازم نہیں اور آپ کے ارشادات کی حیثیت محض تاریخی واقعات کی سی ہے جن کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا تو اس ہٹ دھرمی کا علاج یہاں نہیں بلکہ کسی اور جہان ہی میں ہوسکتا ہے اور خود حالات اس کو بتائیں گے کہ دار فانی میں اس کا کن سے عشق و پیار تھا اور دنیا میں اس نے کیا کمایا اور کیا کھویا ؂

بوقت صبح شود، ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

قرآنی نظام

اپنے لیے ماحول خود بناتا ہے

الحمد للہ کہ پاکستان کی اسلامی مملکت قائم ہو چکی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کی مجلس دستور ساز میں قرار دادِ مقاصد بھی منظور ہو چکی ہے کہ یہاں قرآن و سنّت کے ماحول میں اسلامی نظامِ حیات جاری کیا جائے گا۔ پاکستان کے قیام کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطۂ ارضی مل جائے جہاں مسلم قوم کو قدرت حاصل ہو کہ وہ تمام و کمال اسلامی آئین و قوانین جاری کرے اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کے دین کو غالب اور سربلند کرے۔ بعض مغرب زدہ لوگ جو اپنی اسلامی بصیرت کھو چکے ہیں اور خفاش کی طرح ظلمت سے نکل کر روشنی میں آنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ اوروں کا بھی راستہ روکنا چاہتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ "چودہ سو سال کا معاذ اللہ فرسودہ نظام اس نئی روشنی کی دنیا میں کہاں چل سکتا ہے؟" لیکن جو نہی دنیا طرح طرح کی روشنیوں کے باوجود کروڑوں برس کے فرسودہ شمس و قمر سے ہنوز بے نیاز نہیں ہو سکی تو چودہ سو برس کے قرآنی نظام سے اس کا آنکھیں چرانا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے؟ قرار دادِ مقاصد سے پہلے بعض لوگوں نے جو مسلمانوں کی قیادت کا دم بھرتے ہیں۔ یہ بھی کہا کہ قرآنی نظام چلانے کے لیے ابھی ماحول تیار نہیں لیکن قرآن جس وقت دنیا میں آیا اگر ماحول کی تیاری اور فضا کی سازگاری کا انتظار کرتا تو شاید قیامت تک بھی یہ ختم نہ ہوتا۔ قرآن تو اپنے لیے ماحول خود بناتا ہے اور قرآنی نظام کے نافذ ہونے سے بڑی حد تک فضا بدلنے لگتی ہے۔ آپ سعودی عرب کی حکومت ہی کو دیکھ لیجیے۔ صرف دو، تین چوروں کا ہاتھ کٹنے سے حجاز جیسے ملک میں چوری کا بیج باقی نہیں رہا اور متنورین کو یہ سن کر تعجب ہو گا اور شاید افسوس بھی کہ حجاز میں ٹنڈوں اور لنجوں کا کوئی بڑا شہر تو کجا چھوٹا سا گاؤں بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ آسمانی قانون کے اجراء کی یہی برکت ہے کہ ایک جرم کی سزا جرم کو روکتی ہے۔ مجرم کو جیل میں بھیج کر پکا اور ڈگری یافتہ مجرم نہیں بنایا جاتا۔ (خطبات عثمانی ص ۲۸۲)

REGD.L NO. 8736

MONTHLY
AL-SHARIAH
GUJRANWALA

ماہنامہ "الشریعۃ"
پوسٹ بکس ۳۳۱ گوجرانوالہ

رجسٹرڈ ایل نمبر
۸۷۳۶

ماڈرن سوپ انڈسٹریز لمیٹڈ کی نئی فخریہ پیشکش

کپڑوں کی عمدہ اور اعلیٰ دھلائی کیلئے

اب کالے رنگ میں بھی دستیاب ہے

جو

اونی، سوتی، ریشمی کپڑے

دھونے میں اپنی مثال آپ ہے

ماڈرن سوپ

تیار کردہ ماڈرن سوپ انڈسٹریز لمیٹڈ سمال انڈسٹریز اسٹیٹ گوجرانوالہ
فون ۸۲۵۹۱ — ۸۲۸۶۴